جاری کردہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مُدیر

پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر : پروفیسر خورشید احمد　　　　نائب مدیر : مسلم سجاد

جلد ۱۲۶	مارچ ۱۹۹۹ ' ذی القعدہ ۱۴۱۹	عدد ۳

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ' ملتان روڈ' لاہور

فون : ۷۸۴۳۶۰۵

فیکس : ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵ - اے ذیلدار پارک' اچھرہ' لاہور

فون : ۷۵۸۷۹۹۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے

زر سالانہ ۱۵۰ روپے

بھارت ۳۰۰ روپے

بنگلہ دیش' ایران ۳۵۰ روپے

مشرق وسطیٰ' یورپ

مشرق بعید' افریقہ ۶۵۰ روپے

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا ۹۰۰ روپے

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

"صاحب" کی امامت

ہم نے تعلیم گاہوں میں فرنگی پروفیسروں کی امامت قبول کی اور انھوں نے ہماری نئی نسلوں کو دل و دماغ کے اعتبار سے مرتد بنا کر چھوڑ دیا۔ ہم نے تمدن و معاشرت میں "صاحب" کو امام بنایا اور انھوں نے ہمارے گھروں تک کے نقشے بدل ڈالے' حتیٰ کہ ہماری عورتیں تک ان کی عنایت سے اس شان کے ساتھ پھرنے لگیں جس کے ساتھ کبھی ہمارے ہاں کی زنان بازاری بھی پھرنا پسند نہ کرتی تھیں۔ ہم نے قانون میں "صاحب" کی امامت تسلیم کی اور انھوں نے ہم کو وہ قانون دیا جس کی بدولت ہمارے حلال و حرام کے معیار تک بدل گئے' اخلاقی قدریں تک الٹ گئیں' ہمارے نوجوانوں کی آنکھیں اب یہ سن کر حیرت سے پھٹ جانے لگیں کہ زنا کی سزا رجم یا سو کوڑے ہیں' اور چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے' اور شراب پینے والا ایسا مجرم ہے کہ اس کی پیٹھ پر کوڑے برسائے جانے چاہییں۔ ہم نے معیشت میں "صاحب" کی امامت مانی تو انھوں نے ہم پر وہ نظام معاشی مسلط کیا جس کی بدولت ہمارے ہاں سود کی حرمت ہی مشتبہ ہو کر رہ گئی' لوگوں کے دماغ یہ سمجھنے سے عاجز ہو گئے کہ یہ لاٹری' یہ انشورنس' یہ بنکنگ بھی کوئی حرام چیزیں ہیں۔ حتیٰ کہ ہماری قوم میں وہ طبقہ پیدا ہوا جس کے لیے زکوٰۃ حرام اور سود حلال ہے۔ ہم نے "صاحب" کو سیاست میں امام مانا تو انھوں نے تاریخ میں پہلی مرتبہ ہم کو غلامی کی مکمل ٹریننگ دی اور ہمیں اتنا ذلیل بنا دیا کہ ہزار برس کے غلام تو اپنی حکومت کے خواب دیکھ سکتے ہیں مگر ہم میں یہ خواب دیکھنے کی بھی جرات نہ رہی۔

اب ہمارے دل میں دنیائے اسلام اور وطن عزیز کی آزادی کا درد اٹھا بھی تو وہ اس فتنہ سامانی کے ساتھ اٹھا کہ "صاحب" کے بجائے ہم "لالہ و پنڈت" کے آگے دست بیعت دراز کر رہے ہیں۔ اس کی ابھی ابتدا ہے اور ابھی سے بس بھری فصل کٹنی شروع ہو گئی ہے ------ ان نتائج کو دیکھ لینے کے بعد اس منبع فتنہ و ضلالت سے جس کا نام امامت غیر مسلم ہے' کسی خفیف سے خفیف درجے میں بھی مصالحت کا خیال نہیں کیا جا سکتا --- کیا ان کروڑوں کلمہ گوؤں کی آبادی میں سے چند مردان حق بھی ایسے نہ نکلیں گے جو کھڑے ہو کر صاف صاف اعلان کر دیں کہ اطاعت اور اتباع صرف اللہ اور اس کے قانون کے لیے ہے' اور جو اس قانون کو نہیں مانتا اس سے ہماری جنگ ہے' خواہ وہ باہر سے آیا ہو یا اسی سرزمین سے ابھرا ہو؟

(اشارات' سید ابوالاعلیٰ مودودی' **ترجمان القرآن**' جلد ۱۴' عدد ۱' محرم ۱۳۵۸ھ' مارچ ۱۹۳۹ء' ص ۱۱۔ ۱۳)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خودکشی، خودسوزی اور مسلم معاشرے کا بگاڑ

پروفیسر خورشید احمد

بلاشبہ قرآن پاک کے اعجاز اور اس کی انفرادیت کے بے شمار پہلو ہیں جن پر اہل علم نے سیر حاصل کلام کیا ہے اور اس کے نئے نئے پہلوؤں پر ہمیشہ غوروفکر اور کلام و بیان کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس وقت قرآن کے بیان کردہ ایک ایسے بدیہی اصول کی طرف توجہ مبذول کرانا مقصود ہے جو انسانی تاریخ کے دینی، قانونی اور عمرانی ادب میں منفرد اور بے مثال ہے یعنی:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً ط (المائدہ ۵:۳۲) جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا، کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

انسان خدا کی زمین پر اس کا خلیفہ اور نمایندہ ہے۔ اس کی جان بھی ایک امانت ہے اور ہر انسان تمام انسانوں کے جان و مال کا امین اور محافظ ہے، اور خود اپنی جان اور اپنے مال کا بھی امین اور محافظ ہے، اور صرف اللہ کے قانون کے مطابق تصرف کا حق اور اختیار رکھتا ہے۔ اللہ کی شریعت کا بنیادی مقصد ہی دین کی حفاظت کے ساتھ جان، مال، آبرو، عقل اور مال کی حفاظت ہے اور اسلام کا تعزیری نظام اسی بنیادی مقصد کے تحفظ کا ضامن ہے۔ اسلام نے انسانی جان کے احترام کو اہمیت دی ہے۔ اس کی بنا پر زندگی کے احترام کو اس کے اخلاقی، تمدنی اور قانونی نظام میں مرکز اور محور کی حیثیت حاصل ہے اور حقوق العباد میں سرفہرست انسان کی جان کا تحفظ و احترام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط (الانعام ۶:۱۵۱) اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھیرایا ہے، ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔

اور دوسروں اور خود اپنی جان کی حفاظت اور احترام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ (النساء ۴:۲۹) اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین مانو کہ اللہ تمھارے اوپر مہربان ہے۔

اس آیت کریمہ میں جہاں دوسروں کی جان کو بلاحق تلف کرنے کی ممانعت ہے وہاں خود اپنی جان لینے کی حرمت بھی واضح کر دی گئی ہے۔ یہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ آپؐ نے خودکشی کرنے والے کی سزا جہنم بتائی ہے:

جس نے اپنے آپ کو لوہے (یعنی دھار والے آلے) سے قتل کیا تو وہ لوہا جہنم میں اس کے ہاتھ میں ہو گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسے اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا اور جس نے اپنے آپ کو زہر کھا کر ہلاک کیا جہنم میں اس کے ہاتھ میں زہر ہو گا' وہ اس سے ہمیشہ اپنے آپ کو ہلاک کرتا رہے گا۔

فقہا نے اسے حرام موت قرار دیا ہے۔ احکام القرآن کے مولف ابوبکر الجصاص نے سورۃ النساء کی مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں خودکشی کو سنگین جرم اور اللہ پر ایمان کے منافی قرار دیا ہے اور تقریباً تمام فقہی مذاہب میں خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اگر خودکشی کرنے والا مر جائے تو کوئی سزا نہیں کیونکہ موت سے سزا ساقط ہو جاتی ہے لیکن بچ جانے کی صورت میں بطور تعزیر سزا ہے اور موت کی صورت میں بھی کچھ فقہا کی نگاہ میں (امام شافعیؒ اور امام احمد) خودکشی کرنے والے کے مال میں کفارہ لازم ہے۔ نیز اس جرم میں شریک کو بھی سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ خواہ اس نے شرکت بذریعہ تحریص کی ہو یا اس نے اتفاق کرتے ہوئے اعانت کی ہو۔ (ملاحظہ ہو' التشریع الجنائی الاسلامی ' از عبدالقادر عودہ شہید' ترجمہ اسلام کا فوجداری قانون' جلد اول' ص ۵۳۶-۵۳۸)

خودکشی کی یہ حرمت ایمان باللہ' عقیدہ آخرت اور اسلام کے مزاج کا لازمی تقاضا ہے۔ اللہ کو خالق' رب اور صاحب امر و قدر مان لینے کے بعد انسان کے لیے جان' مال' وقت ہر چیز ایک امانت' ایک مہلت اور ایک امتحان بن جاتی ہے۔ جان' مال اور آبرو کی حرمت کوئی وقتی مصلحت نہیں بلکہ دین کی بنیادی اقدار ہیں۔ اچھے اور برے حالات' دولت اور عسرت' فراوانی اور تنگی' صحت اور بیماری' قوت اور ضعف' کامیابی اور ناکامی یہ سب آزمائش اور امتحان بن جاتے ہیں جن سے صحیح صحیح گزرنے میں دنیا اور آخرت کی اصل کامیابی ہے۔ صلاحیت' وسائل' مواقع کا فرق قدرت کا قانون ہے اور انسان کا امتحان ہر اس حالت میں ہے جس میں وہ ڈالا گیا ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ

بَعْضاً سُخْرِيًّا ط وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ (الزخرف ۴۳: ۳۲) دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں' اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ اور تیرے رب کی رحمت (یعنی نبوت) اس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو (ان کے رئیس) سمیٹ رہے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ط (الانعام ۶:۱۶۵) وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا' اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیے' تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمھاری آزمایش کرے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ لا قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ (البقرہ ۲: ۱۵۵-۱۵۶) ہم ضرور تمھیں خوف و خطر' فاقہ کشی' جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمھاری آزمایش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے" انھیں خوش خبری دے دو۔

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ط وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○ (الانبیاء ۲۱:۳۵) اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمایش کر رہے ہیں۔ آخرکار تمھیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔

ایمان باللہ' عقیدہ آخرت اور اسلام کے نظام زندگی کا مرکزی پیغام ہی زندگی کے امتحان اور آزمایش ہونے کا تصور ہے جس میں خیر اور شر' دولت اور غربت' عطا اور محرومی دونوں صورتیں آزمایش کی صورتیں ہیں۔ کہیں دے کر آزمایا جا رہا ہے اور کہیں لے کر۔ دونوں حالتوں میں اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق کوشش اور جدوجہد اور نتائج پر قناعت اور شکر' یہی اسلامی زندگی کی امتیازی شان ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا خواہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی' جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

خودکشی یا اپنے ہاتھوں اپنی جان کو تلف کرنا اللہ پر ایمان اور جان کے اللہ کی امانت ہونے کے تصور کے منافی ہے۔ یہ انسانی زندگی کے تقدس کے اسلامی اصول کی ضد ہے۔ یہ اللہ پر بھروسے اور اس سے امید' دعا اور طلب کی نفی ہے۔ یہ صبر اور استقامت کے احکام سے متصادم ہے۔ یہ ہمت ہار دینے اور مایوسی کی پیداوار ہے جسے قرآن کفر کی علامت قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خودکشی تو درکنار' موت کی خواہش تک کو اسلام نے منع کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مومن کا معاملہ عجیب و غریب ہے۔ اس کا تو ہر معاملہ اس کے حق میں سراپا خیر ہوتا ہے۔ اور یہ بات

مومن کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اگر اسے خوشی اور راحت پہنچے تو شکر ادا کرتا ہے' تو یہ اس کے لیے خیر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف و مصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے' تو یہ بھی اس کے لیے سراسر خیر ہوتا ہے (مسلم)۔

مومن کو اپنی اولاد اور اپنے اعزہ کے سلسلے میں رنج و مصیبت پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے اس حالت میں ملتا ہے کہ اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا (موطا امام مالک)۔

تم میں سے کوئی شخص اس تکلیف و ضرر کی وجہ سے جو اسے پہنچی ہو موت کی تمنا نہ کرے (بخاری' مسلم)۔

آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے آدم کے بیٹے! اگر تو نے صدمے کے شروع میں صبر کیا اور میری رضا اور اجر و ثواب کو پیش نظر رکھا تو میں تیرے لیے جنت سے کم اور اس کے سوا کسی اجر و ثواب پر راضی نہ ہوں گا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلم معاشرے اور تمدن میں خودکشی کے واقعات شاذ شاذ ہی رونما ہوتے ہیں۔ ہر دور میں مسلمان ہی وہ قوم ہے جس کے یہاں خودکشی کا تناسب نہ ہونے کے برابر رہا ہے۔ فلپ کے ہٹی (Philip K. Hitti) نے اپنی کتاب تاریخ عرب (History of the Arabs) میں اپنے اس استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں خودکشی کی کوئی روایت موجود نہیں۔ آج بھی دنیا میں خودکشی کے بارے میں جو بھی تحقیق ہوئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ساری خرابیوں اور بیرونی تہذیبی اثرات کے باوجود اس کا رواج مسلم معاشرے اور ممالک میں سب سے کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ "Social Forces" مطبوعہ جون ۱۹۸۹ء میں شائع شدہ ایک شماریاتی رپورٹ میں ہلز سمپس اور جارج کنکلن' اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ:

> آبادی میں مسلمانوں کی فی صد تعداد کسی قوم کی خودکشی کی شرح سے منفی نسبت رکھتی ہے اور یہ حقیقت معاشی' اجتماعی اور آبادیات کے عوامل کے جدید ہونے کے باوجود قائم رہتی ہے۔ (Vol 64, No. 4, pp 945-964)

یہ اسلام کی فطرت اور اس کے تاریخی اور تہذیبی کردار کے عین مطابق ہے۔ اسلام نے ایک طرف ایمان اور عقیدہ توحید و آخرت پر مبنی تصور حیات اور زندگی کے امتحان اور آزمایش ہونے کے نظریے پر انفرادی اور اجتماعی اخلاق کی صورت گری کی' تو دوسری طرف ایسا اجتماعی نظام اور کفالت عامہ کا انتظام کیا کہ افراد زندگی کی دوڑ میں ایک دوسرے کے لیے سہارا بنیں اور خاندان' معاشرہ اور ریاست وہ حالات پیدا کریں جن میں فرد زندگی کے تلخ تھپیڑوں کا مردانہ وار مقابلہ کر سکے۔

اس پس منظر میں پاکستان میں حال ہی میں خودکشی اور خود سوزی کے جو واقعات رونما ہو رہے ہیں اس پر صرف تشویش اور غم و غصے کا اظہار کافی نہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اس صورت حال کا گہرائی میں جا کر تجزیہ کیا جائے' اسباب کا تعین کیا جائے اور اصلاح کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں۔ یہ رجحان ہمارے ایمان' ہمارے عقیدے' اور ہماری تاریخی روایت کی ضد ہے اور ان کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے سہل انگاری سے نظرانداز کر دینا ایک مجرمانہ غلطی ہو گی جسے خدا اور تاریخ معاف نہیں کریں گے۔

جنگ لندن کی ۴ فروری ۱۹۹۹ کی اشاعت میں مظفر گڑھ میں دو بہنوں کی خودکشی کی خبر ہے جنھوں نے فاقے سے تنگ آکر اپنے بوڑھے باپ کے گھر لوٹنے کا انتظار کیے بغیر اپنے ہی دوپٹوں سے خودکشی کر لی۔ ۷ فروری کے اخبار میں مصطفیٰ آباد کے شادی شدہ بے روزگار نوجوان کی خودکشی کی خبر ہے۔ اس سے ذرا پہلے گوجرانوالہ کے نوجوان کی خود سوزی کی اطلاع ہے۔ ۱۶ جنوری کے اخبارات میں عارف والہ کے نو بچوں کے باپ کی عین عید سے چند دن قبل خودکشی کا ذکر ہے۔ اس سے چند دن پہلے حیدر آباد کے سرکاری ٹرانسپورٹ کے دو ملازمین کی مہینوں سے تنخواہ نہ ملنے پر خود سوزی اور خود لاہور میں وزیراعظم کی کھلی کچہری کے سامنے کراچی کے چمن زیب کی وحشت ناک خود سوزی کی خبریں ہیں۔ انجمن حقوق انسانی سندھ نے پچھلے چند مہینوں کے جو اعداد و شمار اپنی ایک رپورٹ (جسارت' ۱۹ جنوری ۱۹۹۹) میں دیے ہیں' ان میں صرف چند بڑے بڑے شہروں میں غربت' بے روزگاری اور فقر و فاقہ سے تنگ آکر خودکشی کرنے والوں کی تعداد ۲۶۰ بتائی گئی ہے: حیدر آباد میں ۲۲' فیصل آباد ۹' ملتان ۷۹' لاہور ۵۷' راولپنڈی ۶۴' پشاور ۱۱' اسلام آباد ۵' اور کوئٹہ ۳۔ یہ اعداد و شمار حالات کی مکمل تصویر کشی نہیں کرتے۔ ان کی حیثیت نمونے اور مثال کی ہے جن سے مرض کی شدت اور ہولناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور جن پر ہر باغیرت انسان اور پوری پاکستانی قوم کا سر شرم سے جھک جانا چاہیے۔

یہ صورت حال ایک خطرناک اخلاقی بگاڑ کی نشاندہی کر رہی ہے جس کے بارے میں گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد' میلاد النبیؐ کے جلوسوں کی رونق اور حج اور عمرے کی کثرت سے قوم اور اس کی دینی اور اجتماعی قیادت کو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ دین کا علم' اسلامی احکام سے کماحقہ واقفیت اور بحیثیت مجموعی ان احکام کی پاسداری کے سلسلے میں جو کمی ہے وہ ایک وبا اور عمومی بلوے کی سی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ خودکشی جیسی قبیح اور قابل نفرت حرکت' ایک عام سی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ خود سوزی کو بھی احتجاج کی ایک قابل قبول شکل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے اور کرنے

والوں کو ہیرو تک بنا کر ابھارا جا رہا ہے۔ حالات کتنے ہی خراب ہوں' اور بلاشبہ وہ بہت خراب ہیں' لیکن مسلم معاشرے میں احتجاج اور اصلاح کی کچھ حدود ہیں' جن کو پامال کر کے ہم بگاڑ کو بڑھا تو سکتے ہیں' حالات کو درست نہیں کر سکتے۔ اس لیے سب سے پہلے اخلاقی پہلو کے حوالے سے خودکشی اور ایسی ہی دوسری قبیح حرکتوں کے سلسلے میں جو اسلامی احکام اور اصلاح احوال کے اسلامی طریقے ہیں' ان کی تعلیم اور ان پر عمل کی انفرادی اور اجتماعی کوشش وقت کی اولیں ضرورت ہے۔ حکومت' اخبارات' میڈیا' علما' اساتذہ' سماجی کارکن' سیاسی قیادت' سب کا فرض ہے کہ مسلم معاشرے کی بنیادی اقدار کے تحفظ کی فکر کریں' اسلامی تعلیمات کو عام کریں' لوگوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت و تعلیم پر توجہ دیں۔ گھر' محلّہ' مسجد' اسکول' بازار' غرض ہر جگہ بنیادی اسلامی اقدار کے احیا اور باہم تعلیم و تلقین کا اہتمام کریں' اور جن اقدار اور روایات کی چودہ سو سال سے حفاظت کی ہے اور جو ہماری دینی اور تہذیبی شناخت ہیں ان کی فکر کریں۔ اس کے لیے رجوع الی اللہ' آخرت کا خوف' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی ضرورت ہے جو ہم میں سے ہر فرد--- ہر مسلمان مرد اور عورت کی ذمہ داری ہے۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے فرشتے نہیں آئیں گے' یہ ہماری ذمہ داری ہے اور ہم سے اس کے بارے میں بازپرس ہو گی۔

اخلاقی پہلو کے ساتھ ساتھ اس امر پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر ایسے حالات کیوں پیدا ہو رہے ہیں کہ لوگ خودکشی اور خود سوزی جیسے قابل نفرت اور دنیا اور آخرت دونوں کو خراب کرنے والے اقدام پر مجبور ہو رہے ہیں۔ دینی شعور کو بیدار کرنا' صبر و استقامت کی تلقین' ایمان کی آبیاری اور اخلاقی قوت کی تعمیر اپنی جگہ --- اور بلاشبہ یہ سب باتیں بہت اہم اور بنیادی حیثیت رکھتی ہیں --- لیکن ان کے ساتھ ساتھ ملک کے اجتماعی نظام کی اصلاح بے حد ضروری ہے تاکہ معاشرے میں ظلم و استحصال کا خاتمہ ہو' ملک کے غریب عوام کے مسائل سے اغماض اور بے توجہی دور ہو' ذمہ دار افراد کی غیر ذمہ داریوں اور غلط کاریوں پر پکڑ ہو' معاشرے کے اہل ثروت اور مترفین کی مستحقین کی طرف سے چشم پوشی ختم ہو اور حکومت کی بے راہ روی اور مجرمانہ پالیسیوں پر احتساب ہو۔

اسلام نے جہاں ایمان اور اخلاق کے اسلحے سے بگاڑ کی قوتوں کا صبر و ہمت کے ساتھ مقابلہ کرنے کا درس دیا ہے وہیں وہ اجتماعی زندگی میں ایسی بنیادی اور انقلابی اصلاحات کا داعی ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کے لیے صحت مند اور پاک زندگی (حیات طیبہ) کی راہیں ہموار کر سکیں اور معاشرے اور تمدن سے ان ناانصافیوں' بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کا ازالہ کر سکیں جو خودکشی اور خود سوزی جیسے قبیح اقدامات کا سبب بنتے ہیں۔ معاشرے میں ظلم' حق دار کو اس کے حق سے محروم رکھنا' عام انسانوں کی بنیادی ضروریات

کا عزت سے پورا نہ ہونا' دولت کا چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جانا' بے روزگاری اور مہنگائی کے عفریت کا دندناتے پھرنا' ارباب حکومت کی شاہ خرچیاں اور عوام کی ضروریات سے غفلت--- یہ سب وہ چیزیں ہیں جو اجتماعی بگاڑ کا سبب بنتی ہیں اور ان کی اصلاح کے بغیر صرف اخلاقی تلقین سے مطلوبہ تبدیلی نہیں آ سکتی۔ دونوں کا ساتھ ساتھ بروئے کار آنا ہی اصلاح کا ضامن ہو سکتا ہے اور یہی اسلام کا بتایا ہوا منہج اور راستہ ہے۔

پاکستان کی حالت آج یہ ہے کہ چار کروڑ سے زیادہ انسان افلاس کا شکار ہیں۔ سات کروڑ افراد کو صاف پینے کا پانی میسر نہیں۔ ساڑھے سات کروڑ علاج معالجے کی سہولتوں سے محروم ہیں۔ آزادی کے وقت دنیا کی نگاہیں قیادت کے لیے پاکستان کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ آج عالم یہ ہے کہ ۱۷۴ ممالک میں غربت اور انسانی وسائل میں محرومی کے اعتبار سے ہمارا نمبر ۱۳۴واں ہے۔ یعنی ہم غریب اور پست ترین ۴۰ ملکوں میں سے ایک ہیں اور قرض کا بوجھ قومی پیداوار کے ۹۱ فی صد سے زیادہ ہو گیا ہے اور اس قرض پر صرف سود کی مد میں اس سال قومی بجٹ کا ۴۵ فی صد یعنی ۲۴۵ ارب روپے ادا کرنا ہو گا جب کہ غربت دور کرنے' تعلیم پھیلانے' صحت و صفائی کا اہتمام کرنے کے لیے جو وسائل درکار ہیں وہ سب عالمی اور ملکی ساہوکاروں کے پیٹ کا جہنم بھرنے کی نذر ہو رہے ہیں۔ ترقیاتی مصارف میں برابر کمی ہو رہی ہے۔ بے روزگاری روز افزوں ہے اور محتاط اندازوں کے مطابق اس وقت ۵۲ سے ۶۰ لاکھ افراد مکمل طور پر اور مزید ایک سے سوا کروڑ افراد جزوی طور پر بے روزگار ہیں اور ملک کی معاشی پالیسیوں کے نتیجے میں نئے روزگار فراہم ہونے کی بجائے برسرروزگار افراد ہی کی مزید چھانٹی ہو رہی ہے۔

ایک طرف عام انسانوں کے یہ حالات ہیں تو دوسری طرف ۶۰ فی صد زرعی زمین پر صرف ۶ ہزار بڑے بڑے خاندان قابض ہیں جو ہر قسم کے آمدنی اور دولت ٹیکس تک سے مستثنیٰ ہیں۔ نئے سرمایہ داروں کے دو ہزار خاندان ہیں جن کے ہاتھوں میں ساری قومی دولت مرکوز ہے۔ وہ ایک طرف بنک کاری نظام کے اربوں روپے کے نادہندہ ہیں تو دوسری طرف ملکی دولت سے ۶۰ سے ۱۰۰ ارب ڈالر بیرونی ملک لے جا چکے ہیں۔ حکومت کی شاہ خرچیوں میں کوئی کمی نہیں اور اس کی ساری تگ و دو نئے قرضوں کے حصول اور چند نمایشی کاموں تک محدود ہے۔ نہ خود انحصاری کی فکر ہے' نہ ظلم و استحصال کے نظام کو ختم کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش کی جا رہی ہے۔ غربت اور افلاس کے خلاف جنگ' دولت کی ناہمواریوں کو کم کرنا اور اجتماعی کفالت کے ایک ایسے نظام کا قیام جو ملک کے تمام شہریوں کو بنیادی ضروریات فراہم کر سکے اور وہ زندگی کی دوڑ میں آزادی کے ساتھ شریک ہو سکیں' یہ سارے امور نہ آج کی حکومت کے ایجنڈے پر کوئی اہمیت

رکھتے ہیں نہ کل تک حکمرانی کرنے والوں کو ان کی فکر تھی۔ حالانکہ پاکستان کی بقا اور اس کے استحکام کا انحصار نظام کی تبدیلی اور ان اسباب کے دور کرنے پر ہے جو قوم میں مایوسی' بے اعتمادی اور منفی اقدامات کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ اسلام کے نظام کی امتیازی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ فریاد سے پہلے داد رسی کا انتظام کرتا ہے اور حکمرانی کی جگہ خدمت کو ہر سطح پر قیادت کی اصل ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

> جس شخص نے مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کی ذمہ داری قبول کی اور پھر اس نے ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کی اور ان کے کام انجام دینے میں خود کو اس طرح نہ تھکایا جس طرح وہ اپنی ذاتی ضرورت کے لیے خود کو تھکاتا ہے تو خدا ایسے شخص کو منہ کے بل جہنم میں گرا دے گا۔

پاکستان کے مسلم معاشرے کے بگاڑ میں اخلاقی اور روحانی اسباب کے ساتھ ساتھ اجتماعی نظام کے فساد کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ اسلام نے جو تکافل اجتماعی کا نظام قائم کیا ہے وہ مسلمان مرد و عورت کے ساتھ مسلم خاندان' مسلم معاشرے اور اجتماعی خلافت سے عبارت ہے۔ یہ چار ستون ہیں جن پر اسلامی نظام زندگی قائم ہوتا ہے اور آج ان چاروں ہی کا حال دگرگوں ہے۔

قرآن نے کامیاب فرد اور ناکام فرد اور کامیاب زندگی اور ناکام زندگی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا ادا کرنا لازم قرار دیا گیا ہے' بلکہ ایک حیثیت سے حقوق اللہ کے مقابلے میں حقوق العباد کی ادائیگی کچھ زیادہ ہی اہم قرار دی گئی ہے کہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کمی یا غفلت کو رب رحیم و غفور معاف بھی کر دے گا مگر حقوق العباد کے بارے میں جب تک وہ معاف نہ کریں جن کے حقوق پامال کیے گئے ہیں' اللہ رب العزت جو عادل اور صاحب قسط ہے ان حق تلفیوں کو معاف نہیں کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: "میری امت میں غریب وہ ہو گا جو قیامت کے دن' نماز' روزے' زکوٰۃ اور دوسرے نیک اعمال کا پشتارہ لیے حاضر ہو گا مگر اس نے کسی کی بے عزتی کی ہو گی' کسی پر الزام تراشی کی ہو گی' کسی کا مال اور حق ہڑپ کیا ہو گا' کسی کا خون بہایا ہو گا' اور کسی کو تکلیف پہنچائی ہو گی اور پھر اس کی تمام نیکیاں ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں گی جن کے حقوق پر اس نے دست درازی کی ہو گی اور جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہ اس کے کھاتے میں منتقل کر دیے جائیں گے اور آخرکار وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا"۔

جس معاشرے میں حقوق العباد ادا کیے جا رہے ہوں اس میں غربت' افلاس' ناداری' ظلم اور استبداد نہیں پنپ سکتے۔ اس میں غریب غریب تر اور امیر امیر نہیں ہو سکتے۔ اس میں ایک طرف دولت کی

فراوانی اور نمائش اور دوسری طرف غربت' بھوک اور جہالت ممکن نہیں' اس لیے کہ اسلام نے اپنے اجتماعی نظام کو انفاق' اخوت' تعاون باہمی اور انصاف کی بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ مسلم خاندان اجتماعی کفالت کا ایک نظام ہے۔ مسلمان محلے اور بستی کے کچھ حقوق اور ذمہ داریاں ہیں جن کے بغیر وہ مسلم معاشرے کا حصہ نہیں بنتے اور پھر مسلمان حکومت اور ریاست کے کچھ فرائض ہیں اور ان فرائض کی ادائگی کے بغیر کوئی خاندان' کوئی معاشرہ اور کوئی حکومت حقیقی معنوں میں اسلامی اور مسلم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ قرآن نے تو ہمیں جس دین کی طرف بلایا ہے وہ یہ ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

(البقرہ ۲: ۱۷۷) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف' بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال' رشتے داروں اور یتیموں پر' مسکینوں اور مسافروں پر' مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر' اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے' نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں' اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔

اس کے برعکس یوم آخرت کا انکار کرنے والے اور ناکام لوگ وہ ہیں جن کا یہ حال ہو کہ:

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ○ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ○

(الماعون ۱۰۷: ۱-۳) تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے' اور مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔

يَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ مَا سَلَكَكُمْ فِىْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ○ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ (المدثر ۷۴: ۴۰-۴۶) وہ مجرموں سے پوچھیں گے "تمھیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟" وہ کہیں گے "ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے' اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے' اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے' اور روز جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے۔

ناکام وہ ہے جو دولت کو جمع کرے' حق دار کا حق ادا نہ کرے تو دولت کے یہ ڈھیر اس کے کچھ بھی کام نہ

آئیں گے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (التوبہ ۹: ۳۴-۳۵) اے لوگو جو ایمان لائے ہو' ان اہل کتاب کے اکثر علما اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ دردناک سزا کی خوش خبری دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا--- یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا' لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

مسلم معاشرے کی بنیاد ہی انفاق اور قرابت داروں' ہمسایوں اور ضرورت مندوں کے حق کی ادائیگی پر ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶-۲۷) رشتے دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔ فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں' اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ ۲: ۱۸۸) اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمھیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔

اسلام کا تقاضا ہے کہ ہر گھر اور ہر محلہ اجتماعی تکافل کی ایک اکائی بن جائے اور باہم خیر خواہی اور ایک دوسرے کی پاسداری سے زندگی گزارے تاکہ وسائل حیات سے کوئی محروم نہ رہے۔ کوئی کسی کا محتاج نہ ہو۔

کس نبا شد در جہاں محتاج کس
نکتۂ شرعِ مبین این است و بس

ترجمہ: دنیا میں کوئی شخص محتاج نہ ہو' یہی شریعت کا اصل نکتہ بس یہی ہے۔

بھوک' ظلم' ناہمواری اور محتاجی سے وہی معاشرہ نجات پا سکتا ہے جو قرآن کے بتائے ہوئے طریقے پر

اپنی چمن بندی کرے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ (النساء ۴: ۳۶-۳۷) اور تم سب اللہ کی بندگی کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ' ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو' قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ' اور پڑوسی رشتے دار سے' اجنبی ہمسایے سے' پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمھارے قبضے میں ہوں' احسان کا معاملہ رکھو' یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔ اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں' جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ ایسے کافر نعمت لوگوں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جو شخص اس حال میں راستہ گزارے کہ وہ تو شکم سیر ہو مگر اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس کے بھوکے ہونے کا علم بھی رکھتا ہو تو وہ مومن نہیں۔ اس معاملے میں اسلام تو اتنا حساس ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اپنے پڑوسی کو اپنے پکے ہوئے کھانے کی خوشبو سے تکلیف نہ دو' اگر تم ان کھانوں میں سے کچھ اسے دے نہیں سکتے' نیز یہ کہ جب پھل خریدو تو اپنے پڑوسی کو بھی تحفہ بھیجو اور اگر نہ بھیجنا چاہو تو اسے چھپا کر اندر لے جاؤ۔ تمھارا بچہ بھی اسے لے کر باہر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کا بچہ اسے دیکھ کر رنجیدہ نہ ہو جائے۔

واضح رہے کہ پڑوسی محض ملحقہ گھر ہی کے لیے نہیں بلکہ احادیث و آثار کی روشنی میں چالیس گھر اور کچھ کی رائے کے مطابق چاروں اطراف کے چالیس گھر کے لوگ پڑوس ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس بستی میں ایک شخص بھی رات کو بھوکا سو جائے اللہ تعالٰی اس بستی سے اپنی حفاظت کا ہاتھ اٹھا دیتا ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ "اگر کوئی شخص بھوکا سو جائے تو جان لو کہ کسی اور نے اس کا حق دبا رکھا ہے"۔ فقہا نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی بستی میں کوئی شخص بھوک سے مر جائے اور اہل بستی کے علم میں یہ بات ہو کہ وہ بھوک سے مرا ہے اور انھوں نے اس کی بھوک مٹانے کا کوئی بندوبست نہیں کیا تو اس بستی کے لوگوں سے اس شخص کی موت پر دیت لی جائے۔

یہ تو ہے ایک مسلمان معاشرے کی شان۔ لیکن آج ہمارا کیا حال ہے کہ مترفین دولت میں جھول

رہے ہیں اور انھی کے محلوں میں لوگ فاقوں سے تنگ آکر خودکشی کر رہے ہیں۔ نہ اجتماعی تکافل کا کوئی نظام ہے اور نہ اجتماعی احتساب کا۔

حالات کے اس بگاڑ کی سب سے زیادہ ذمہ داری ملک کی قیادت اور ارباب حکومت پر آتی ہے جو اس ظالمانہ نظام کے پشتی بان بنے ہوئے ہیں اور ملکی وسائل کو اصل حق داروں کی خدمت کے لیے استعمال کرنے کے بجائے اپنی شان و شوکت کے لیے بے تحاشا خرچ کر رہے ہیں۔ اسلام میں ریاست اور حکومت کی اولیں ذمہ داری ہے کہ معاشرے کے تمام افراد کے لیے بنیادی ضروریات کی فراہمی کا بندوبست کریں۔ ملک کی اجتماعی دولت پر سب سے پہلا حق ملک کے غریبوں' مسکینوں' یتیموں اور مفلوک الحال انسانوں کا ہے اور یہ ان کا حق ہے' رعایت نہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (المعارج ۷۰: ۲۴-۲۵) اور جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے۔

دولت کی گردش پورے معاشرے میں ہونی چاہیے' محض دولت مندوں کے درمیان نہیں۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۝ (الحشر ۵۹: ۷) جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسولؐ کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسولؐ اور رشتے داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ تمھارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

اسلام میں محاصل کے نظام کا مقصد ہی دولت کی منصفانہ تقسیم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تو خذ من اغنیاء هم و ترد الٰی فقراء هم (بخاری) یہ ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں کو لوٹا دیے جائیں گے۔

خلافت راشدہ اس نظام کی عملی مثال تھی اور حضرت عمر فاروقؓ نے عملاً ایک ایسا اجتماعی تکافل کا نظام قائم کر دیا تھا جس میں کوئی بچہ' بوڑھا' مرد' عورت' مسلمان ہو یا نہ ہو بھوکا ننگا نہیں تھا۔ ایک ایک بچے کا روزینہ مقرر تھا اور وہ غیر مسلم جو اپنی ضروریات نہ پوری کر سکیں ان کا بھی بیت المال کفیل تھا۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ: "دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی اگر ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے باز پرس کرے گا"۔

ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ:

محتسب کو چاہیے کہ اگر ملازم مردوں اور عورتوں پر زیادتی ہو رہی ہو تو اس کے مالکوں سے باز پرس کرے اور حکم دے کہ ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیں۔ اسی طرح اگر مالک اپنے (ملازموں ہی نہیں) جانوروں کو بھی پوری خوراک نہ دیں یا طاقت سے زیادہ کام لیں تو ان سے مواخذہ کرے۔

اور جب یہ نظام قائم ہو جاتا ہے تو پھر حقیقی خوش حالی رونما ہوتی ہے اور انسان شرف انسانیت کا نشان بن جاتا ہے۔ لیکن اگر اللہ کے راستے سے ہٹتے ہیں تو پھر سخت گرفت میں آتے اور ان کے مقدر میں خسارہ ہی خسارہ رہ جاتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (الاعراف ۷: ۹۶) اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے' مگر انھوں نے تو جھٹلایا' لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انھیں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔

آج پاکستانی معاشرہ جس عذاب میں مبتلا ہے' خودکشی کا روز افزوں رجحان اسی عذاب کی ایک صورت ہے۔ حرام موت کا یہ سلسلہ ہماری تاریخ میں پہلی بار اس انداز میں اور اس مقدار میں سامنے آ رہا ہے۔ بلاشبہ یہ نتیجہ ہے اللہ کے راستے سے ہٹنے کا اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں زمام کار دینے کا جو اللہ سے غافل اور اس کے بندوں کے مسائل و مصائب سے بے پروا ہیں۔ یہ حالات ایک دن کی پیداوار نہیں بلکہ پچھلے پچاس سال کے مسلسل بگاڑ کا نتیجہ ہیں۔ معاشرے میں خیر کی قوتیں بھی کارفرما رہی ہیں لیکن غالب قوت شر اور بگاڑ کی رہی ہے اور غلط پالیسیوں اور غلط کاریوں اور عوام کی غفلت اور سپراندازی نے حالات کو یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ اب لوگ انقلاب اور بغاوت تک کی باتیں کرنے لگے ہیں اور عالم یہ ہے کہ ع

وہ حبس ہے کہ لو کی دعا مانگتے ہیں لوگ

لیکن باد صرصر باد بہاراں تو نہیں ہو سکتی! علاج ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کی طرف پلٹنا' اپنے گناہوں اور اپنی غفلتوں سے توبہ' شر اور ظلم سے مصالحت کی بجائے اس کا مردانہ وار مقابلہ اور انفرادی اصلاح اور اخلاقی قوت کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ایسی اجتماعی جدوجہد جس سے اس بگڑے ہوئے نظام اور اس کے ظالم کار پردازوں سے نجات پائی جا سکے اور ایک صالح نظام اور ایمان دار قیادت بروئے کار آ سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو بعید نہیں کہ اللہ ان پر عذاب نازل کر دے۔

جب کسی معاشرے میں فساد اور بگاڑ بلوہ عام کی شکل اختیار کر لے اور اہل خیر اپنا فرض انجام دینے

ہوئے اس معاشرہ کو تبدیل کرنے' اسے ظالموں کے پنجے سے نکالنے اور اسے حق و انصاف کی بنیادوں پر ازسرنو استوار کرنے کی جدوجہد نہ کریں تو پھر جب اللہ تعالیٰ کی پکڑ اس معاشرے کو اپنی گرفت میں لیتی ہے تو صرف مفسدین ہی تباہ نہیں ہوتے' بلکہ سب لوگ اس مصیبت کا نشانہ بنتے ہیں۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لاَّ تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (الانفال ۸: ۲۵) اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔ اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

آج پاکستانی قوم بھی ایک ایسی ہی نازک اور فیصلہ کن صورت حال سے دوچار ہے۔ پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے اور اگر خیر کی تمام قوتیں اجتماعی شر اور فساد کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں نہیں آتیں تو کچھ پتا نہیں کہ کتنی مہلت اور مل سکے۔ عوام کی بیداری' علما کا گروہی مفادات سے بلند ہو کر اپنے اصل مشن یعنی اقامت دین اور قیام عدل کے لیے عوام کی صحیح راہنمائی کے لیے تن من دھن سے مصروف ہو جانا' سیاسی کارکنوں کا گھر گھر جا کر عوام کو حق و انصاف کا ساتھ دینے' ظالموں کے خلاف صف آرا ہونے اور ملت اسلامیہ پاکستان کی حقیقی آزادی' عزت اور حقوق کی حفاظت کے لیے ملک گیر جدوجہد کے لیے منظم اور متحرک کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ اس کام میں کتنا وقت لگتا ہے اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اصل چیز اس جدوجہد کا صحیح خطوط پر اور صحیح مقاصد کے لیے شروع ہو جانا اور جو لاوا زیر زمین پک رہا ہے اسے کسی غلط رخ پر جانے سے روک کر ایک حقیقی اور پایدار اسلامی انقلاب کے لیے استعمال کرنا ہے۔

ہماری ذمہ داری جدوجہد اور کوشش ہے' نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں لیکن اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر خلوص' ایمان اور احتساب سے صحیح مقاصد اور اہداف کے لیے جدوجہد کی جائے تو وہ راہ کی مشکلات کو آسان کر دیتا ہے' مخلصین کے ضعف کو قوت سے بدل دیتا ہے' جہاد کرنے والوں کی اپنے فرشتوں سے مدد کرتا ہے اور انھیں دنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

(یہ تحریر تقسیم عام کے لیے منشورات' منصورہ' لاہور سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ ۲۵۰ روپے سیکڑہ)

قانون کی حکمرانی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر بھی اطاعت فی المعروف کی قید لگائی گئی ہے' حالانکہ حضورؐ کے بارے میں اس امر کے کسی ادنیٰ شبہے کی گنجایش بھی نہ تھی کہ آپؐ کبھی منکر کا حکم بھی دے سکتے ہیں۔ اس سے خود بخود یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا میں کسی مخلوق کی اطاعت قانون خداوندی کے حدود سے باہر جا کر نہیں کی جاسکتی' کیونکہ جب خدا کے رسولؐ تک کی اطاعت معروف کی شرط سے مشروط ہے تو پھر کسی دوسرے کا یہ مقام کہاں ہو سکتا ہے کہ اسے غیر مشروط اطاعت کا حق پہنچے اور اس کے کسی ایسے حکم یا قانون یا ضابطے اور رسم کی پیروی کی جائے جو قانون خداوندی کے خلاف ہو۔ اس قاعدے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: لَاَ طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰہِ ' اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ (مسلم' ابوداود' نسائی) اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے' اطاعت صرف معروف میں ہے۔ یہی مضمون اکابر اہل علم نے اس آیت [وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ (الممتحنة ۶۰:۱۲) اور کسی امر معروف میں تمھاری نافرمانی نہ کریں گی] سے مستنبط کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ تمھاری نافرمانی نہ کریں' بلکہ فرمایا یہ ہے کہ وہ معروف میں تمھاری نافرمانی نہ کریں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے نبی تک کی اطاعت کو اس شرط سے مشروط کیا ہے تو کسی اور شخص کے لیے یہ کیسے سزاوار ہو سکتا ہے کہ معروف کے سوا کسی معاملے میں اس کی اطاعت کی جائے (ابن جریر)۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

اللہ کو معلوم تھا کہ اس کا نبی کبھی معروف کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتا' پھر بھی اس نے اپنے نبی کی نافرمانی سے منع کرتے ہوئے معروف کی شرط لگا دی تاکہ کوئی شخص کبھی اس امر کی گنجایش نہ نکال سکے کہ ایسی حالت میں بھی سلاطین کی اطاعت کی جائے' جب کہ ان کا حکم اللہ کی اطاعت میں نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَنْ اَطَاعَ مَخْلُوْقاً فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْہِ ذٰلِكَ الْمَخْلُوْقَ ' یعنی جو شخص خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کرے' اللہ تعالیٰ اس پر

اسی مخلوق کو مسلط کر دیتا ہے (احکام القرآن)۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

یہ ارشاد ان جاہلوں کے خیال کی تردید کرتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ اولی الامر کی اطاعت مطلقاً لازم ہے۔ اللہ تعالٰی نے تو رسول کی اطاعت پر بھی معروف کی قید لگا دی ہے' حالانکہ رسول کبھی معروف کے سوا کوئی حکم نہیں دیتا۔ اس سے مقصود لوگوں کو خبردار کرنا ہے کہ خالق کی معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے (روح المعانی)۔

پس در حقیقت یہ ارشاد اسلام میں قانون کی حکمرانی (Rule of law) کا سنگ بنیاد ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ ہر کام جو اسلامی قانون کے خلاف ہو' جرم ہے اور کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ ایسے کسی کام کا کسی کو حکم دے۔ جو شخص بھی خلاف قانون حکم دیتا ہے وہ خود مجرم ہے' اور جو شخص اس حکم کی تعمیل کرتا ہے وہ بھی مجرم ہے۔ کوئی ماتحت اس عذر کی بنا پر سزا سے نہیں بچ سکتا کہ اس کے افسر بالا نے اسے ایک ایسے فعل کا حکم دیا تھا' جو قانون میں جرم ہے (تفہیم القرآن' ج ۵' ص ۴۴۶۔۴۴۷)۔

معروف مسانید اور کتب حدیث

مختصر تعارف

مولانا عبدالمالک

مُسند کا مفہوم: "مُسند" حدیث کے اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کو اسماے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ترتیب پر مرتب کیا جائے۔ یعنی ہر صحابیؓ کی حدیث کو الگ الگ بیان کیا جائے۔ اس ترتیب میں بعض اوقات فضیلت اور اسلام میں سبقت' بعض اوقات قبیلے اور شہروں اور بعض اوقات ناموں کے حروف کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ آسان اور کتاب سے حدیث کو تلاش کرنے میں مفید صورت یہ ہے کہ کتاب حروف کی ترتیب پر مرتب کی جائے۔ "مُسند" کے لفظ سے بعض اوقات حدیث کا وہ مجموعہ بھی مراد ہوتا ہے جو موضوعات اور ابواب کے لحاظ سے مرتب ہو' اس لیے کہ اس مجموعے میں مرفوع روایات ہوتی ہیں۔ جیسے مُسند بقی بن مخلد اندلسی کو اسی معنی میں مسند کہا جاتا ہے۔ یہ اسماے صحابہ کی ترتیب پر مرتب نہیں بلکہ فقہی موضوعات یا ابواب پر مرتب ہے (الرسالۃ المستطرفۃ ' ص ۷۴-۷۵)۔ مسانید کی تعداد ۱۰۰ سے بھی زیادہ ہے۔ محمد بن جعفر کتانی (۱۳۴۵ھ) نے ۸۲ مسانید ذکر کی ہیں اور اس کے بعد کہا کہ جن مسانید کا ہم نے تذکرہ کیا ہے' ان کے علاوہ بھی بہت سی مسانید ہیں (الرسالۃ المستطرفۃ ' ص ۷۴)۔

مُصَنَّف کا مفہوم: "مصنف" اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کی ترتیب فقہی موضوعات کے مطابق ہو اور اس میں مرفوع احادیث پر اکتفا نہ کیا گیا ہو بلکہ آثار صحابہ و تابعین کا ذکر بھی ہو۔

سنن کا مفہوم: "سنن" اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس میں فقہی ترتیب ہوتی ہے اور اس میں صرف مرفوع احادیث بیان کی جاتی ہیں۔ آثار' صحابہ و تابعین کا ذکر بہت کم ہوتا ہے۔

صحیح کا مفہوم: "صحیح" اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کے مصنف نے ارادہ کیا ہو کہ حسن اور ضعیف کی بجائے صرف صحیح درجے کی احادیث ذکر کریں گے۔

معجم کا مفہوم : "معجم" اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس میں احادیث کو محدث اپنے اساتذہ کی ترتیب کے مطابق اسی طرح ذکر کرے۔

مستدرک کا مفہوم : "مستدرک" اس مجموعے کو کہتے ہیں جسے کسی خاص کتاب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہو کہ جو احادیث اس میں رہ گئی ہوں' ان کو اس مجموعے میں ذکر کر دیا جائے۔

مستخرج کا مفہوم : "مستخرج" اس مجموعے کو کہتے ہیں جس کو کسی خاص کتاب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہو کہ جو احادیث اس میں آتی ہیں' انھی احادیث کو مصنف اپنی سند سے بیان کر دے۔

ذیل میں صحاح ستہ کے ماسوا چند مشہور مسانید اور دیگر کتب حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ **مُسند حمیدی** : یہ عبداللہ بن زبیر حمیدی کی تصنیف ہے جن کی کنیت ابوبکر ہے جو امام بخاری کے شیخ (استاذ) ہیں۔ انھوں نے ۲۱۹ھ میں وفات پائی۔ یہ ایک مختصر مجموعہ ہے جس میں مطبوعہ نسخے کے مطابق ۱۳۰۰ حدیثیں ہیں۔ دو جلدوں میں مجلس علمی کراچی نے اس کو شائع کیا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اس کی احادیث کی تحقیق کی اور اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے اطراف حدیث (یعنی حدیث کے پہلے کلمات) کی فہرست ترتیب دے کر کتاب کے آخر میں ملحق کر دی ہے۔ اس میں اس بات کی نشان دہی بھی کر دی ہے کہ حدیث کتاب کے کس صفحے پر ہے۔

۲۔ **مُسند الامام احمد بن حنبل**ؒ (متوفی ۲۴۱ھ) : یہ بہت بڑی مُسند ہے۔ اس میں چالیس ہزار احادیث ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے جب ۱۸۰ھ میں علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا تو اسی وقت سے احادیث جمع کرنا شروع کر دیں اور پھر ساری عمر جمع کرتے رہے۔ ان کی زندگی میں یہ ایک مسودے کی شکل میں تھا۔ وہ ان احادیث کو بیان کرتے رہے اور اپنے شاگردوں کو سناتے رہے لیکن تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ آخری عمر میں اپنے دونوں بیٹوں صالح' عبداللہ اور بھتیجے حنبل کو جمع کیا اور پوری مُسند انھیں پڑھ کر سنائی۔ حنبل کہتے ہیں کہ ساری مُسند ہمیں سنانے کے بعد ہم سے فرمایا کہ میں نے اسے ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے منتخب کیا ہے۔ مسلمان جب کسی حدیث میں اختلاف کریں تو تم فیصلے کے لیے اس کی طرف رجوع کرنا۔

مُسند الامام احمد بن حنبل کو امام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ نے مرتب کیا ہے اور بعض احادیث کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس طرح عبداللہ سے روایت کرنے والے ابوبکر قطیعی جو بغداد کے محلہ قطیعہ کے رہنے والے تھے انھوں نے بھی اس میں کچھ اضافے کیے ہیں۔ مُسند احمد احادیث کا قابل اعتماد مجموعہ ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کو ان کتب میں شامل کیا ہے جو قبولیت میں دوسرا درجہ رکھتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مُسند احمد کی روایات پر اعتراضات کے جواب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جو القول المسدّد فی الذّب عن المُسند کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں انھوں نے کہا کہ مُسند احمد

میں تین چار احادیث کے علاوہ کوئی حدیث بے اصل نہیں۔ وہ تین چار احادیث بھی شاید وہ ہیں جنھیں امام نے کاٹ دیا تھا، یا اصل کتاب سے خارج کر کے حاشیہ میں لکھا تھا، مگر عبداللہ نے انھیں غلطی سے اصل کتاب میں شامل کر دیا (ایضاً، ص ۹)۔

مُسند احمد، صحابہ کی ترتیب پر ہے لیکن حروف تہجی پر مرتب نہیں بلکہ ترتیب میں بہت سے پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر اس کو مرتب کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک صحابیؓ کی روایات ایک جگہ نہیں ملتیں۔ اس میں نام کے لحاظ سے بھی حدیث تلاش کرنے کے لیے ساری کتاب کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے علما نے مختلف کوششیں کی ہیں۔ چنانچہ مکتب اسلامی دار صادر بیروت نے جب ۱۳۸۹ھ میں اسے شائع کیا تو اس کے ساتھ فہرست شائع کی جو مشہور محدث علامہ ناصر الدین البانی نے مرتب کی تھی۔ فہرست اسماے صحابہ کے حروف کے لحاظ سے بنائی گئی ہے اور ہر صحابی کے نام کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے کہ اس کی روایت مُسند احمد میں کس کس جلد میں، کس کس صفحے پر ہے (اصول التخریج ودراسة الاسانید)۔ عالم عرب کے جلیل القدر محدث احمد محمد شاکر نے اس کی ترتیب اور تخریج پر کام شروع کیا تھا۔ اس کی ۱۶ جلدیں طبع ہو گئی تھیں لیکن تکمیل نہ ہو سکی۔ انھوں نے بہت عمدہ کام کیا اور ہر جلد کے آخر میں ایک فہرست موضوعات کے لحاظ سے دے دی ہے۔ مصر کے ایک اور محدث احمد عبدالرحمٰن البناء الساعاتی نے مُسند کو موضوعات کے لحاظ سے مرتب کر دیا ہے۔ سند حذف کر دی ہے اور مکررات کو بھی حذف کر دیا ہے، الا یہ کہ اس میں کوئی خاص افادیت ہو اور احادیث کی تخریج بھی کر دی ہے۔ انھوں نے اس کی ایک شرح بھی بلوغ الامانی کے نام سے کی ہے۔ نیز اس بات کی تحقیق بھی کر دی ہے کہ کون سے اضافے عبداللہ نے کیے ہیں اور کون سے ابوبکر قطیعی نے کیے ہیں۔ الفتح الربانی کے بعد مُسند احمد سے استفادہ آسان اور عام ہو گیا ہے (مقدمہ الفتح الربانی، ص ۲۱-۲۲)۔

۳- مُسند ابوداود طیالسی: نام سلیمان بن داؤد بن الجارود طیالسی ہے۔ فارس کے رہنے والے تھے۔ بعد میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ بڑے بڑے محدثین شعبہ، ہشام دستوائی وغیرہ سے حدیث حاصل کی۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۲۰۴ھ میں فوت ہوئے۔ یہ وہ ابوداؤد نہیں جن کی کتاب صحاح ستہ میں داخل ہے۔ اس میں ۲۵۰ صحابہ کی روایات ہیں۔ حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ یہ سب سے پہلی مُسند ہے۔ یہ کتاب مجلس دائرة المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، سے شائع ہو چکی ہے۔ عصر حاضر کے محدث شیخ احمد عبدالرحمٰن البناء الساعاتی نے اس کو بھی فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے اور اس کا نام منحة المعبود فی ترتیب مُسند الطیالسی ابوداود رکھا۔ اس کی شرح اور حاشیہ بھی لکھا جس کا نام المحمود علی منحة المعبود رکھا۔ یہ دو جلدوں میں مطبع منیریہ، مصر سے ۱۳۷۲ھ میں شائع ہوئی۔

۴- مُسند عبد بن حُمَیْد بن نصر کَشی (متوفی ۲۴۹ھ): کش، جرجان میں ایک بستی کا نام ہے۔

ان کا نام عبدالحُمید بن حمید بن نصر ہے اور کنیت ابو محمد ہے۔ امام مسلم' ترمذی اور دوسرے محدثین ان سے روایت کرتے ہیں۔ یہ اس فن کے اماموں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس سے ایک اور مُسند کا انتخاب کیا گیا ہے جو مُسند صغیر کے نام سے مشہور ہے اور مُسند کبیر سے زیادہ متداول ہے (شرح عجالۃ نافعہ بستان المحدثین)۔

۵۔ مُسند حارث بن ابی اسامہ (متوفی ۲۸۲ھ) : یہ اصل میں معجم ہے کیونکہ حارث بن ابی اسامہ نے اسے اپنے اساتذہ و شیوخ کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ اس کی پہلی روایت یزید بن ہارون سے ہے اور ان کی سند سے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ انھوں نے ۹۷ سال کی عمر میں عرفہ کے دن وفات پائی۔

۶۔ سنن ابی مسلم کشی : ان کی کنیت ابو مسلم اور نام ابراہیم ہے۔ عبداللہ کے بیٹے ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ ۲۶۴ھ میں انتقال ہوا۔ (بستان المحدثین۔ تحفۃ الاحوذی)۔

۷۔ سنن سعید بن منصور: کنیت ابو عثمان اور نام سعید بن منصور مروزی ہے۔ طالقان کے رہنے والے تھے مگر بعد میں بلخ میں رہنے لگے۔ ۲۲۹ھ کو مکہ مکرمہ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی یہ سنن بھی مجلس علمی کے اہتمام سے چھپ چکی ہے (بستان المحدثین' ص ۷۹' معجم الف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' ص ۲۶۸)۔

۸۔ مُسند بزار (متوفی ۲۹۲ھ) : اس کے شروع میں مُسند ابی بکر ہے۔ ان کی کنیت ابوبکر اور نام احمد بن عمرو ہے۔ بزار پنساری کو کہا جاتا ہے۔ یہ بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے اپنی مُسند میں اس بات کا اہتمام بھی کیا ہے کہ حدیث کی سند میں اگر کوئی عیب ہے تو اسے بیان کر دیں۔ اس بنا پر اس کو مُسند مُعَلَّلْ کہا جاتا ہے۔ وفات شام کے شہر رملہ میں ہوئی۔ (بستان المحدثین از شاہ عبدالعزیز' معجم ما الف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

۹۔ مُسند ابویعلی الموصلی : ۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۷ھ میں وفات پائی۔ پندرہ سال کی عمر میں علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا۔ ان کا نام احمد بن علی بن المثنی ہے۔ موصلی اس لیے کہا جاتا ہے کہ موصل کے رہنے والے تھے۔ بڑے بڑے محدثین علی بن الجعد' یحیٰی بن معین وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ حافظ اسماعیل بن محمد بن فضیل تمیمی کہتے تھے کہ میں نے بہت سی مسندات پڑھی ہیں لیکن ان سب کی مثال نہروں کی ہے اور مُسند ابویعلی کی مثال اس دریا کی ہے جو ناپیدا کنار ہو۔ اس کی ترتیب میں موضوعات اور اسماے صحابہ دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے' چنانچہ آغاز کتاب الایمان سے ہے اور اس میں سب سے پہلے

مُسند ابی بکر صدیق ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری کی تعلیقات کے ساتھ بھی شائع ہو گئی ہے (بستان المحدثین ' اصول التخریج ودراسة الاسانید)۔

۱۰۔ **معجم ابویعلی** : ابو یعلی کی ایک کتاب معجم بھی ہے جس میں انھوں نے اساتذہ کے حروف کے لحاظ سے ترتیب قائم کی ہے۔ محدثین کا طریقہ ہے کہ معجم کے آغاز میں اس راوی کی روایت کو ذکر کرتے ہیں جس کا نام محمد یا احمد ہو' اس کے بعد کتاب کو اساتذہ کی ترتیب حرفی کے مطابق مرتب کرتے ہیں۔ معجم ابویعلی میں ایسا ہی کیا گیا ہے (بستان المحدثین)۔

۱۱۔ **مُسند دارمی** : عبداللہ بن عبدالرحمٰن تمیمی سمرقندی دارمی اس کے مصنف ہیں۔ ابو محمد ان کی کنیت ہے۔ مسلم' ابوداؤد' ترمذی' امام احمد کے بیٹے عبداللہ اور یحییٰ بن یحییٰ ذھلی ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی ولادت ۱۸۱ھ میں اور وفات یوم عرفہ جمعرات ۲۵۵ھ کو ہوئی اور تدفین بروز جمعہ یوم النحر کو ہوئی۔ یہ دو جلدوں میں قاہرہ' دمشق' بیروت اور پاکستان سے طبع ہو چکی ہے ۳ ہزار ۵ سو ۵۷ احادیث اور ۱۴۰۸ ابواب ہیں (بستان المحدثین ' ص ۷۵ ' اصول التخریج ودراسته الاسانید' معجم ما الف' ص ۲۱۵۵))۔

۱۲۔ **صحیح ابن خزیمہ** : حافظ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری متوفی ۳۱۱ھ کی تصنیف ہے۔ اس کے تین اجزا جناب مصطفیٰ اعظمی صاحب کی کوشش سے طبع ہو چکے ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جرمنی کے کتب خانے میں بھی موجود ہے (معجم ماالف ' ص ۲۵۷ ' مقدمہ تحفة الاحوذی' ص ۳۲۹)۔

۱۳۔ **سنن دارقطنی** : علی بن عمر کی تصنیف ہے۔ بغداد میں محلہ دارقطن کے رہنے والے تھے۔ ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۸۵ھ میں جمعرات کے روز وفات پائی۔ دو جلدوں میں مع حاشیہ التعلیق المغنی از علامہ ابو الطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی' مدینہ منورہ اور "مکتبہ نشرالسنة ملتان" سے طبع ہو گئی ہے۔ عبداللہ ہاشم یمانی کی تعلیقات کے ساتھ دارالمحاسن للطباعہ قاہرہ سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

۱۴۔ **مُسند بقی بن مخلد القرطبی** (متوفی ۲۷۳ھ) : علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس میں تیرہ سو سے کچھ اوپر صحابہ کی روایات ہیں۔ ترتیب ابواب فقہ پر ہے۔ اسے "مُسند" بھی کہتے ہیں اور "مُصَنَّف" بھی (ایضاً' مقدمہ تحفة الاحوذی' ص ۳۳۱-۳۳۲)۔

۱۵۔ **مُسند ابن راھویہ** : امام اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راھویہ مروزی (متوفی ۲۳۸ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک کامل نسخہ جرمنی کے کتب خانے میں محفوظ ہے جسے حافظ سیوطی نے تحریر کیا ہے اور حافظ ذہبی نے اس مُسند کے راویوں کی تحقیق پر ایک کتاب لکھی ہے۔ علامہ سیوطی نے اسے بھی اس کے حاشیہ پر نقل کیا ہے (مقدمہ تحفہ الاحوذی' ص ۳۳۳-۳۳۴)۔

۱۶۔ الصحیح المنتقی : حافظ ابی علی سعید بن عثمان بن سعید بن السکن البغدادی (متوفی ۳۵۳ھ) کی تصنیف ہے۔ جرمنی کے کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ حافظ سیوطی کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ ان کا ایک "مُصَنَّف" بھی ہے جو حافظ سیوطی کے ہاتھ سے لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے (تحفۃ الاحوذی' ص ۳۲۹۔ ۳۳۵)۔

۱۷۔ مُسند ابن ابی عاصم : حافظ ابوبکر احمد بن عمر الشیبانی (متوفی ۲۸۷ھ) کی تصنیف ہے۔ حافظ منذری کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ جرمنی کی لائبریری میں موجود ہے۔ صاحب کشف الظنون اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں تقریباً ۵۰ ہزار احادیث ہیں (مقدمہ تحفۃ الاحوذی' ص ۳۳۳)۔

۱۸۔مُسند ابن جمیع : ابو الحسین محمد بن احمد بن محمد بن جمیع (متوفی ۴۰۲ھ) کی تصنیف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ جرمنی کے کتبے میں ہے۔ اس پر حافظ ابن حجرؒ نے مفید حاشیہ لکھا ہے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی' ص ۳۳۳)۔

۱۹۔ مُسند بن ابی عمرو عدنی : ان کا نام محمد بن یحییٰ ہے۔ آپ نے ۲۴۳ھ میں وفات پائی۔ ملا علی قاری کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ جرمنی کے کتب خانے میں موجود ہے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی' ص ۳۳۱)۔

۲۰۔ صحیح ابو عوانہ : حافظ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق سفرائینی نیشاپوری (متوفی ۳۱۶ھ) کی تصنیف ہے۔ صحیح مسلم کی احادیث کو اپنی سند سے بیان کیا ہے۔ امام مسلم بیچ میں نہیں آتے۔ بلکہ امام مسلم کے استاذ یا استاذ کے استاذ سے آخر تک سند کے ساتھ اسی حدیث کو بیان کرتے ہیں جو مسلم میں ہے۔ ایسی کتاب "مستخرج" کہلاتی ہے۔ "صحیح" اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امام مسلم کی اسانید کے علاوہ ایسی اسانید بھی لائے ہیں جو مسلم میں نہیں اور بعض احادیث میں اضافے ذکر کیے ہیں۔ اس لیے اس کی حیثیت ایک مستقل کتاب کی ہو گئی (بستان المحدثین' ص ۶۱)۔ دو جلدوں میں حیدر آباد دکن اور دار المعرفۃ بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔

۲۱۔ مُصَنَّف عبدالرزاق (متوفی ۲۱۱ھ) : حافظ کبیر ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی کی کتاب ہے۔ یہ صنعا یمن کے رہنے والے ہیں جو یمن کا دارالسلطنت تھا۔ امام احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' اسحاق بن راھویہ ان کے شاگرد ہیں۔ شوال کے مہینے میں پچاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اس کی احادیث کی تحقیق اور تخریج کی ہے اور اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ مجلس علمی' جوہانس برگ جنوبی افریقہ' کراچی نے ۱۱ جلدوں میں بیرت سے ۱۹۷۰ میں طبع کرایا۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی توجہ اور کوشش سے یہ کام ہوا (معجم ما الف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دکتور صلاح الدین المنجد' ص ۲۶۸)۔

۲۲۔ **مُصَنَّف ابوبکر بن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۵ھ)**: کنیت ابوبکر نام عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی ہے۔ ابوزرعہ امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد اور بہت سے محدثین نے ان سے استفادہ کیا۔ مصنف میں صرف احادیث احکام کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ اس کتاب کا امتیاز ہے کہ کسی فقہی مذہب کے ساتھ امتیاز نہیں کیا گیا۔ مصنف کے قلمی نسخے ہندستان، قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ایک کامل قلمی نسخہ جو حافظ سیوطیؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جرمنی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کی طباعت کا آغاز حیدر آباد ہند سے ہوا۔ ۱۳۸۶ھ سے طباعت شروع ہوئی اور ۱۳۹۰ھ تک اس کے پانچ اجزا کتاب الصید تک شائع ہو گئے تھے۔ اس کے بعد طباعت موقوف ہو گئی۔ اب اس کے بقیہ اجزا بھی طبع ہو گئے ہیں۔

۲۳۔ **صحیح اسماعیلی**: یہ صحیح بخاری پر مستخرج ہے۔ اسماعیلی کی کنیت ابوبکر ہے۔ اور احمد بن ابراہیم الاسماعیلی نام ہے۔ شہر جرجان میں اپنے وقت کے امام تھے۔ فقہ و حدیث میں لوگ ان کو مقتدا سمجھتے تھے۔ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے اکیس سال بعد ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے علم حدیث حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اپنے زمانے کے بڑے بڑے محدثین سے استفادہ کیا اور فقہ و حدیث کے جامع اور دین و دنیا کی ریاست کے مالک ہوئے۔ اسماعیلی کو بہت سی کتابیں یاد تھیں اور حدیث و فقہ میں انھیں درجہ اجتہاد حاصل تھا۔ بخاری کی مرویات کو ان کی اسناد کی بجائے اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا۔ اس لیے ان کی کتاب کا نام "مستخرج" قرار پایا۔ صفر ۳۷۱ھ میں وفات پائی (بستان المحدثین، ص ۶۵-۶۶)۔

۲۴۔ **صحیح ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ)**: ان کی کنیت ابو حاتم نام محمد بن حبان تمیمی بستی ہے۔ سیستان کے شہر بست کے رہنے والے تھے اس لیے بستی کہلائے۔ ۲۲ شوال جمعہ کے روز ۳۵۴ھ کو وفات پائی۔ اس کو تقاسیم اور انواع پر مرتب کیا ہے۔ ۹ جلدوں میں الامیر علاء الدین علی بلبان الفارسی الحنفی، المتوفی ۷۳۹ھ کی دی ہوئی فقہی ترتیب والا نسخہ، الاحسان فی تقریب صحیح بن حبان کے نام سے بیروت موسستہ الرسالتہ سے شائع ہو چکا ہے۔

۲۵۔ **مستدرک حاکم**: ۳۲۱ھ ربیع الثانی میں پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ ماہ صفر میں انتقال کر گئے۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ عہدہ قضا پر مامور تھے اس لیے حاکم کے نام سے مشہور ہو گئے۔ حاکم نے ان احادیث کو جو صحیح بخاری اور مسلم میں ذکر ہونے سے رہ گئیں باوجودیکہ صحیح تھیں اور بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق تھیں، اس کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے تو اپنے طور پر ایسا کیا لیکن اہل علم کے نزدیک وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے اور ان کی مستدرک کو "صحیح" کا مقام نہیں مل سکا۔ حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے مستدرک کی تلخیص لکھی ہے جس میں اس کی احادیث کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ میری تلخیص کے مطالعے کے بغیر کوئی شخص مستدرک کے

فیصلے پر اعتماد نہ کرے۔ تلخیص المستدرک' مستدرک کے ذیل میں طبع ہے۔ ۴ جلدوں میں حیدر آباد ہند سے شائع ہو چکی ہے (بستان المحدثین' ص ۶۹' اصول التخریج' ص ۱۱۹' شرح عجالتہ النافعہ' ص ۷۷)۔

۲۶۔ مستخرج علی صحیح مسلم لابی نعیم اصفہانی : ابو نعیم کا نام احمد بن عبداللہ ہے۔ آپ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ محرم ۴۳۰ کو ۹۴ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ مسلم کی احادیث کو اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری پر بھی ان کی مستخرج ہے جس میں انھوں نے بخاری کی روایات کو بھی اپنی سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب حلیۃ الاولیا وبھجۃ الاصفیاء ہے (بستان المحدثین' ص ۷۳)۔

۲۷۔ سنن کبریٰ : یہ امام بیہقی کی تصنیف ہے۔ ان کی کنیت ابو بکر' نام احمد بن الحسین ہے۔ بیہقی بیہق کی طرف منسوب ہے۔ جو نیشاپور سے تیس کوس کے فاصلے پر چند گاؤں کا نام ہے جو آپس میں متصل ہیں' ان دیہات میں سب سے بڑا گاؤں خسرو جرد ہے جہاں بیہقی مدفون ہیں۔ ماہ شعبان ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو نیشاپور میں انتقال ہوا۔ یہ ان محدثین اور فقہا میں شامل ہیں جن کو کثرت تصانیف اور حافظہ میں امتیازی مقام حاصل ہے اور وہ اس باب میں ضرب المثل ہیں۔ سنن کبریٰ پر شیخ علاء الدین علی بن عثمان ابن الترکمانی الحنفی متوفی ۷۵۰ھ نے جگہ جگہ مواخذے کیے ہیں۔ ان کی تنقید کا مجموعہ الجوھر النقی فی الرد علی البیہقی کے نام سے سنن کبریٰ کے ذیل میں طبع ہے۔ دس ضخیم جلدوں میں دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد سے طبع ہو چکی ہے (بستان المحدثین)۔

۲۸۔ کتاب معرفۃ السنن والاثار للبیہقی : پہلے اس کی ۴ جلدیں طبع ہوئی تھیں۔ اب ۱۵ جلدیں جامعۃ الدراسات الاسلامیہ کراچی سے شائع ہو گئی ہیں۔

۲۹۔ شعب الایمان للبیہقی : سات جلدوں میں ہے اور ۱۱۳۶۹ احادیث جمع ہیں۔ ۲ جلدوں میں فہرست ہے۔ کل ۹ جلدیں ہیں۔ مکتبہ دارالباز مکۃ مکرمہ سے شائع ہو چکی ہیں۔

۳۰۔ سنن صغیر : یہ بھی جامعۃ الدراسات الاسلامیہ کراچی سے ۴ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ صاحب تحفۃ الاحوذی نے مقدمہ تحفہ کی ۴۱ ویں فصل میں صفحہ ۳۳۶ تا ۳۳۹ کتب حدیث کے متعدد قلمی نسخوں کا تذکرہ کر دیا ہے جو جرمنی اور دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

حج کے ثمرات

سید ابوالاعلیٰ مودودی

ایسے مسلمان جن پر حج فرض ہے' یعنی جو کعبہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتے ہیں' ایک دو تو ہوتے نہیں ہیں۔ ہر بستی میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے۔ ہر شہر میں ہزاروں اور ہر ملک میں لاکھوں ہی ہوتے ہیں۔ اور ہر سال ان میں بہت سے لوگ حج کا ارادہ کر کے نکلتے ہیں۔ اب ذرا تصور کیجیے کہ دنیا کے کونے کونے میں جہاں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں' حج کا موسم آنے کے ساتھ ہی کس طرح اسلام کی زندگی جاگ اٹھتی ہے' کیسی کچھ حرکت پیدا ہوتی ہے اور کتنی دیر تک رہتی ہے۔ تقریباً رمضان کے مہینے سے لے کر ذی القعدہ تک دنیا کے مختلف حصوں سے مختلف لوگ حج کی تیاریاں کر کے نکلتے ہیں اور ادھر ذی الحج کے آخر سے صفر' ربیع الاول بلکہ ربیع الثانی تک واپسیوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس چھے سات مہینے کی مدت تک گویا مسلسل تمام روئے زمین کی مسلمان آبادیوں میں ایک طرح کی دینی حرکت جاری رہتی ہے۔ جو لوگ حج کو جاتے اور حج سے واپس آتے ہیں' وہ تو دینی کیفیت میں سرشار ہوتے ہی ہیں' مگر جو نہیں جاتے ان کو بھی حاجیوں کے رخصت کرنے' ایک ایک بستی سے ان کے گزرنے' پھر واپسی پر ان کا استقبال کرنے اور ان سے حج کے حالات سننے کی وجہ سے تھوڑا یا بہت اس کیفیت کا کچھ نہ کچھ حصہ مل ہی جاتا ہے۔

پرہیزگاری اور تقویٰ کی افزایش: جب ایک حاجی حج کی نیت کرتا ہے اور اس نیت کے ساتھ ہی اس پر خوف خدا اور پرہیزگاری اور توبہ و استغفار اور نیک اخلاق کے اثرات چھانے شروع ہو جاتے ہیں' اور وہ اپنے عزیزوں' دوستوں' معاملہ داروں اور ہر قسم کے متعلقین سے اس طرح رخصت ہونا اور اپنے معاملات صاف کرنا شروع کرتا ہے کہ گویا اب یہ وہ پہلا سا شخص نہیں ہے' بلکہ خدا کی طرف لو لگ جانے کی وجہ سے اس کا دل پاک صاف ہو رہا ہے' تو اندازہ کیجیے کہ ایک حاجی کی اس حالت کا کتنے کتنے لوگوں پر اثر پڑتا ہو گا۔ اور اگر ہر سال دنیا کے مختلف حصوں میں ایک لاکھ آدمی بھی اوسطاً اس طرح حج کے لیے تیار ہوتے ہیں تو ان کی تاثیر کتنے لاکھ آدمیوں کے اخلاق تک پہنچتی ہو گی۔ پھر حاجیوں کے قافلے جہاں جہاں

سے گزرتے ہوں گے' وہاں ان کو دیکھ کر' ان سے مل کر' ان کی لبیک لبیک کی آوازیں سن کر کتنوں کے دل گرما جاتے ہوں گے' کتنوں کی توجہ اللہ کی طرف اور اللہ کے گھر کی طرف پھر جاتی ہو گی' اور کتنوں کی سوئی ہوئی روح میں حج کے شوق سے حرکت پیدا ہو جاتی ہو گی۔ پھر جب یہ لوگ اپنے مرکز سے پھر کر اپنی اپنی بستیوں کی طرف دنیا کے مختلف حصوں میں حج کی کیفیتوں کا خمار لیے ہوئے پلٹتے ہوں گے اور لوگ ان سے ملاقات کرتے ہوں گے تو ان کی زبان حال اور زبان قال سے اللہ کے گھر کا ذکر سن کر کتنے بے شمار حلقوں میں دینی جذبات تازہ ہو جاتے ہوں گے۔

عالمِ اسلام کی بیداری کا موسم: پس اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہو گا کہ جس طرح رمضان کا مہینہ تمام اسلامی دنیا میں تقویٰ کا موسم ہے' اسی طرح حج کا زمانہ تمام روئے زمین میں اسلام کی زندگی اور بیداری کا زمانہ ہے۔ اس طریقے سے شریعت بنانے والے حکیم و دانا نے ایسا بے نظیر انتظام کر دیا ہے کہ ان شاء اللہ قیامت تک اسلام کی عالم گیر تحریک مٹ نہیں سکتی۔ دنیا کے حالات خواہ کتنے ہی بگڑ جائیں اور زمانہ کتنا ہی خراب ہو جائے' مگر یہ کعبے کا مرکز' اسلامی دنیا کے جسم میں کچھ اس طرح رکھ دیا گیا ہے جیسے آدمی کے جسم میں دل ہوتا ہے۔ جب تک دل حرکت کرتا رہے' آدمی مر نہیں سکتا' چاہے بیماریوں کی وجہ سے وہ ہلنے تک کی طاقت نہ رکھتا ہو' بالکل اسی طرح دنیا کا یہ دل بھی ہر سال اس دور دراز رگوں تک سے خون کھینچتا رہتا ہے' اور پھر اس کو رگ رگ تک پھیلا دیتا ہے۔ جب تک اس دل کی یہ حرکت جاری ہے اور جب تک خون کے کھینچنے اور پھیلنے کا یہ سلسلہ چل رہا ہے' اس وقت تک یہ بالکل محال ہے کہ اس جسم کی زندگی ختم ہو جائے' خواہ بیماریوں سے یہ کتنا ہی زار و نزار ہو۔

وحدتِ ملت کا پرکیف نظارہ: ذرا آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں اس نقشے کا تصور تو کیجیے کہ ادھر مشرق سے' ادھر جنوب سے' ادھر مغرب سے' ادھر شمال سے ان گنت قوموں اور بے شمار ملکوں کے لوگ ہزاروں راستوں سے ایک ہی مرکز کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں' رنگ مختلف ہیں' زبانیں مختلف ہیں' مگر مرکز کے قریب ایک خاص حد پر پہنچتے ہی سب اپنے اپنے قومی لباس اتار دیتے ہیں' اور سارے کے سارے ایک ہی طرز کا سادہ یونیفارم پہن لیتے ہیں۔ احرام کا یہ یونیفارم پہننے کے بعد علانیہ یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ سلطان عالم اور بادشاہ زمین و آسمان کی یہ فوج' جو دنیا کی ہزاروں قوموں سے بھرتی ہو کر آ رہی ہے' ایک ہی بادشاہ کی فوج ہے' ایک ہی اطاعت و بندگی کا نشان ان سب پر لگا ہوا ہے' ایک ہی وفاداری کے رشتے میں یہ سب بندھے ہوئے ہیں' اور ایک ہی دارالسلطنت کی طرف اپنے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہونے کے لیے جا رہے ہیں۔ یہ یونیفارم پہنے ہوئے سپاہی جب میقات سے آگے چلتے ہیں تو ان سب کی زبانوں سے وہی ایک نعرہ بلند ہوتا ہے: لَبَّيْكَ ' اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ' لَا شَرِيْكَ لَكَ

لَبَّیْکَ ۔ بولنے کی زبانیں سب کی مختلف ہیں' مگر نعرہ سب کا ایک ہی ہے۔ پھر جوں جوں مرکز قریب آتا جاتا ہے' دائرہ سمٹ کر چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔ مختلف ملکوں کے قافلے ملتے چلے جاتے ہیں اور سب کے سب مل کر نمازیں ایک ہی طرز پر پڑھتے ہیں۔ سب کا ایک یونیفارم' سب کا ایک امام' سب کی ایک ہی حرکت' سب کی ایک ہی زبان' سب ایک اللہ اکبر کے ہی اشارے پر اٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع اور سجدہ کرتے ہیں' اور سب اسی ایک قرآن عربی کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ یوں زبانوں اور قومیتوں اور وطنوں اور نسلوں کا اختلاف ٹوٹتا ہے اور یوں خدا پرستوں کی ایک عالم گیر جماعت بنتی ہے۔

پھر جب یہ قافلے یک زبان ہو کر لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے ہیں' جب ہر بلندی اور ہر پستی پر یہی نعرے لگتے ہیں' جب قافلوں کے ایک دوسرے سے ملنے کے وقت دونوں طرف سے یہی صدائیں اٹھتی ہیں' جب نمازوں کے وقت اور صبح کے تڑکے میں یہی آوازیں گونجتی ہیں تو ایک عجیب فضا پیدا ہو جاتی ہے جس کے نشے میں آدمی سرشار ہو کر اپنی خودی کو بھول جاتا ہے اور اس لَبَّیْکَ کی کیفیت میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر کعبے پہنچ کر تمام دنیا سے آئے ہوئے آدمیوں کا ایک لباس میں ایک مرکز کے گرد گھومنا' پھر سب کا ایک ساتھ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا' پھر سب کا منیٰ میں کیمپ لگانا' پھر سب کا عرفات کی طرف کوچ کرنا اور وہاں ایک امام سے خطبہ سننا' پھر سب کا مزدلفہ میں رات کو چھاؤنی ڈالنا' پھر سب کا ایک ساتھ منیٰ کی طرف پلٹنا' پھر سب کا متفق ہو کر جمرہ عقبہ پر کنکریوں کی چاند ماری کرنا' پھر سب کا قربانیاں کرنا' پھر سب کا ایک ساتھ کعبے کی طرف پلٹ کر طواف کرنا' پھر سب کا ایک ہی مرکز کے گرداگرد نماز پڑھنا' یہ اپنے اندر وہ کیفیت رکھتا ہے جس کی نظیر دنیا میں ناپید ہے۔

ایک مقصد' ایک مرکز پر اجتماع: دنیا بھر کی قوموں سے نکلے ہوئے لوگوں کا ایک مرکز پر اجتماع' اور وہ بھی ایسی یک دلی و یک جہتی کے ساتھ' ایسی ہم خیالی و ہم آہنگی کے ساتھ' ایسے پاک جذبات' پاک مقاصد اور پاک اعمال کے ساتھ' حقیقت میں اتنی بڑی نعمت ہے جو آدم علیہ السلام کی اولاد کو اسلام کے سوا کسی نے نہیں دی۔ دنیا کی قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی رہی ہیں' مگر کس طرح؟ میدان جنگ میں گلے کاٹنے کے لیے' یا صلح کانفرنسوں میں ملکوں کی تقسیم اور قوموں کے بٹوارے کے لیے' یا مجلس اقوام متحدہ میں' تاکہ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف دھوکے' فریب' سازش اور بے ایمانیوں کے جال پھیلائے اور دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ تمام قوموں کے عام لوگوں کا صاف دلی کے ساتھ ملنا' نیک اخلاق اور پاک خیالات کے ساتھ ملنا' محبت اور خلوص کے ساتھ ملنا' قلبی و روحانی اتحاد کے ساتھ ملنا' خیالات' اعمال اور مقاصد کی یک جہتی کے ساتھ ملنا' اور صرف ایک ہی دفعہ مل کر نہ رہ جانا' بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا' کیا یہ نعمت اسلام کے سوا بنی نوع

انسان کو اور بھی کہیں ملتی ہے؟ دنیا میں امن قائم کرنے، قوموں کی دشمنیوں کو مٹانے اور لڑائی جھگڑوں کے بجائے محبت، دوستی اور برادری کی فضا پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر نسخہ کسی نے تجویز کیا ہے؟

کیا اسلام کے سوا یہ نعمتیں انسان کو کہیں اور بھی مل سکتی ہیں؟

یہ ہے وہ حج جس کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ اسے کر کے دیکھو، اس میں تمھارے لیے کتنے منافع ہیں۔ میری زبان میں اتنی قدرت نہیں کہ اس کے سارے منافع گنا سکوں، تاہم اس کے فائدوں کا یہ ذرا سا خاکہ جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

ہماری قدر ناشناسی : مگر یہ سب کچھ سننے کے بعد ذرا میرے جلے دل کی کچھ باتیں بھی سن لو! تم مسلمانوں کا حال اس بچے کا سا ہے جو ہیرے کی کان میں پیدا ہوا ہے۔ ایسا بچہ جب ہر طرف ہیرے ہی ہیرے دیکھتا ہے اور پتھروں کی طرح ہیروں سے کھیلتا ہے تو ہیرے اس کی نگاہ میں ایسے ہی بے قدر ہو جاتے ہیں جیسے پتھر۔ یہی حالت تمھاری بھی ہے کہ دنیا جن نعمتوں سے محروم ہے، جن سے محروم ہو کر سخت مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھا رہی ہے اور جن کی تلاش میں حیران و سرگرداں ہے، وہ نعمتیں تم کو مفت میں بغیر کسی تلاش و جستجو کے صرف اس وجہ سے مل گئیں کہ خوش قسمتی سے تم مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہو۔ وہ کلمہ توحید جو انسان کی زندگی کے تمام پیچیدہ مسئلوں کو سلجھا کر ایک صاف سیدھا راستہ بنا دیتا ہے، بچپن سے تمھارے کانوں میں پڑا۔ نماز اور روزے کے وہ کیمیا سے زیادہ قیمتی نسخے جو آدمی کو جانور سے انسان بناتے ہیں، اور انسانوں کو خدا ترس اور ایک دوسرے کا بھائی، ہمدرد اور دوست بنانے کے لیے جن سے بہتر نسخے آج تک دریافت نہیں ہو سکے ہیں، تم کو آنکھ کھولتے ہی خود بخود باپ دادا کی میراث میں مل گئے۔ زکوٰۃ کی وہ بے نظیر ترکیب جس سے محض دلوں ہی کی ناپاکی دور نہیں ہوتی، بلکہ دنیا کے مالیات کا نظام بھی درست ہو جاتا ہے، جس سے محروم ہو کر تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ دنیا کے لوگ ایک دوسرے کا منہ نوچنے لگے ہیں، تمھیں وہ اس طرح مل گئی ہے جیسے کسی حکیم حاذق کے بچے کو بغیر محنت کے وہ نسخے مل جاتے ہیں، جنھیں دوسرے لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح حج کا وہ عظیم الشان طریقہ بھی جس کا آج دنیا بھر میں کہیں جواب نہیں ہے، جس سے زیادہ طاقت ور ذریعہ کسی تحریک کو چار دانگ عالم میں پھیلانے اور ابد الآباد تک زندہ رکھنے کے لیے آج تک دریافت نہیں ہو سکا ہے، جس کے سوا آج دنیا میں کوئی عالم گیر طاقت ایسی موجود نہیں ہے کہ آدم کی ساری اولاد کو زمین کے گوشے گوشے سے کھینچ کر خدائے واحد کے نام پر ایک مرکز پر جمع کر دے، اور بے شمار نسلوں اور قوموں کو ایک خدا پرست، نیک نیت، خیر خواہ برادری میں پیوست کر کے رکھ دے، ہاں ایسا بے نظیر طریقہ بھی تمھیں بغیر کسی جستجو کے بنا بنایا اور صدہا برس سے چلتا ہوا مل گیا۔ مگر تم نے ان نعمتوں کی کوئی قدر نہ کی، کیونکہ آنکھ کھولتے ہی یہ تم کو اپنے گھر میں ہاتھ آ گئیں۔ اب تم ان سے بالکل اسی طرح کھیل رہے ہو جس طرح ہیرے کی کان میں پیدا ہونے والا نادان بچہ ہیروں سے کھیلتا ہے اور انھیں کنکر پتھر سمجھنے لگتا ہے۔ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے

جس بری طرح تم اس زبردست دولت اور طاقت کو ضائع کر رہے ہو اس کا نظارہ دیکھ کر دل جل اٹھتا ہے۔ کوئی کہاں سے اتنی قوت برداشت لائے کہ پتھر پھوڑوں کے ہاتھوں جواہرات کو برباد ہوتے دیکھ کر ضبط کر سکے؟ تم نے شاعر کا یہ شعر تو سنا ہی ہو گا کہ:

خرِ عیسیٰ اگر بہ مکہ رَوَد — چوں بیاید ہنوز خر باشد

یعنی گدھا خواہ عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر ہی کا کیوں نہ ہو مکہ کی زیارت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر وہ وہاں ہو آئے تب بھی جیسا گدھا تھا ویسا ہی رہے گا۔

نماز، روزہ ہو یا حج، یہ سب چیزیں سمجھ بوجھ رکھنے والے انسانوں کی تربیت کے لیے ہیں، جانوروں کو سدھارنے کے لیے نہیں ہیں۔ جو لوگ نہ ان کے معنی و مطلب کو سمجھیں، نہ ان کے مدعا سے کچھ غرض رکھیں، نہ اس فائدے کو حاصل کرنے کا ارادہ ہی کریں جو ان عبادتوں میں بھرا ہوا ہے بلکہ جن کے دماغ میں ان عبادتوں کے مقصد و مطلب کا سرے سے کوئی تصور ہی نہ ہو، وہ اگر ان افعال کی نقل اس طرح اتار دیا کریں کہ جیسا اگلوں کو کرتے دیکھا ویسا ہی خود بھی کر دیا، تو اس سے آخر کس نتیجے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ بدقسمتی سے عموماً آج کل کے مسلمان اسی طریقے سے ان افعال کو ادا کر رہے ہیں۔ ہر عبادت کی ظاہری شکل جیسی مقرر کر دی گئی ہے ویسی ہی بنا کر رکھ دیتے ہیں، مگر وہ شکل روح سے بالکل خالی ہوتی ہے------ یہی وجہ ہے کہ آج خود ہماری اپنی قوم کے بہت سے نوجوان ہم سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اس حج کا فائدہ تو ہمیں سمجھاؤ۔ حالانکہ یہ حج وہ چیز تھی کہ اگر اسے اس کی اصلی شان کے ساتھ ادا کیا جاتا تو کافر تک اس کے فائدوں کو علانیہ دیکھ کر ایمان لے آتے۔

کسی تحریک کے ہزاروں لاکھوں ممبر ہر سال دنیا کے ہر حصے سے کھنچ کر ایک جگہ جمع ہوں اور پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں، ملک ملک اور شہر شہر سے گزرتے ہوئے اپنی پاکیزہ زندگی، پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ اخلاق کا اظہار کرتے جائیں، جہاں جہاں ٹھیریں اور جہاں سے گزریں وہاں اپنی تحریک کے اصولوں کا نہ صرف زبان سے پرچار کریں بلکہ اپنی عملی زندگی سے ان کا پورا پورا مظاہرہ بھی کر دیں، اور یہ سلسلہ دس بیس برس نہیں بلکہ صدیوں تک سال بہ سال چلتا رہے، بھلا غور تو کیجیے کہ یہ بھی کوئی ایسی چیز تھی کہ اس کے فائدے پوچھنے کی کسی کو ضرورت پیش آتی؟ خدا کی قسم! اگر یہ کام صحیح طریقے پر ہوتا تو اندھے اس کے فائدے دیکھتے اور بہرے اس کے فائدے سن لیتے۔ ہر سال کا حج کروڑوں مسلمانوں کو نیک بناتا، ہزاروں غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں کھینچ لاتا، اور لاکھوں غیر مسلموں کے دلوں پر اسلام کی بزرگی کا سکہ بٹھا دیتا (خطبات، ص ۲۹۲-۳۰۱، تدوین: م - س)۔

وَلَو كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ القَلبِ لَانفَضُّوا مِن حَولِكَ

اور اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ آل عمران۳: ۱۵۹

اپنی شخصیت کو

خوش گوار بنایئے

اپنی باتوں سے

اپنے رویوں سے

لوگ

آپ سے بھاگیں نہیں

آپ کے گرد جمع ہوں

(خیر خواہ)

کعبۂ مقصود

مولانا عبدالماجد دریا بادی

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکاً وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (آل عمرٰن ۳: ۹۶) یقیناً پہلا گھر جو انسانوں کی عبادت کے لیے مقرر کیا گیا وہ وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے۔ برکت دیا گیا اور جہانوں کے لیے ہدایت۔

اللہ اکبر! یہ کون سا گھر سامنے ہے؟ نگاہیں کس گھر کی دیواروں کی بلائیں لے رہی ہیں؟ یہی تو وہ گھر ہے جس کی بابت کہا گیا ہے "دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا"۔ روئے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ! صدی دو صدی کی تعمیر نہیں' دو ہزار چار ہزار برس کی عمارت نہیں' دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ! کون سی تاریخ اس وقت کا پتا بتا سکتی ہے؟ کس نسل انسانی کا حافظہ وہ زمانہ یاد رکھ سکتا ہے؟ جس گھر کی بنیادیں خود آدم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہوں' بنی آدم میں کون اس وقت کی یاد اپنے حافظے میں رکھ سکتا ہے؟

اللہ اللہ! اس طویل اور بے حساب مدت میں' اس ناقابل پیمائش عرصے میں' کتنے عبادت خانے بنے اور بگڑے' کتنے مندر تعمیر ہوئے اور کھدے' کتنے گرجے آباد ہوئے اور اجڑے' کیسے کیسے انقلاب زمین نے دیکھے اور آسمان نے دکھلائے' بلندیاں پست ہوئیں' پستیاں بلند ہوئیں' بابل مٹا' مصر مٹا' چین مٹا' ہندستان مٹا' ایران مٹا' یونان مٹا' رومہ مٹا' خدا معلوم کتنے ابھرے اور ابھر کر مٹے' کتنے بڑھے اور بڑھ کر گھٹے' پر ایک عرب کے ریگستان میں خاک اور ریت کے سمندر میں' چٹانوں اور پہاڑیوں کے وسط میں' وادیوں اور گھاٹیوں کے درمیان یہ سیاہ چوکور گھر' جسے نہ کسی انجینیر نے بنایا نہ کسی مہندس نے' جوں کا توں کھڑا ہوا ہے! صدہا طوفان' ہزارہا انقلابات' بے شمار زلزلے آئے اور گزر گئے اور اس پاک اور پیارے گھر کو نہ کوئی ابرہہ مٹا سکا' نہ کوئی زار نکولس اور نہ کوئی گلیڈ اسٹن! جو اسے مٹانے کو اٹھا وہ خود مٹ گیا اور اللہ کے گھر میں اللہ کی جو عبادت آدم علیہ السلام اور حوّا نے کی تھی' وہی آج آدمؑ کے فرزند اور حوا کی بیٹیاں کر رہی ہیں! مُبٰرَکاً کی تفسیر میں بہت سے اقوال لائے گئے ہیں لیکن اس کھلی ہوئی برکت' اس مشاہد و محسوس

برکت کے بعد کسی اور تفسیر کی ضرورت باقی بھی رہتی ہے؟

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ "سب سے پہلا عبادت خانہ" رومی مورخ ہیروڈوٹس نے اعتراف کیا کہ اس سے قدیم تر کوئی معبد نہیں ملتا۔ ڈوزی نے بھی یہی کہا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا والوں نے اس کی قدامت تسلیم کی' میور تنقید کے لیے اٹھا لیکن رومی مورخ کی تائید کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکا۔ مارگولیس اسلام کی عداوت کے نشے میں سرشار' لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا' لیکن اس کی ہذیان سرائی خود اس کے پیشے والوں اور قبیلے والوں سے داد نہ حاصل کر سکی' اور حق کا کلمہ جہاں تھا وہیں قائم رہا۔ مومنوں کے ایک سردار علی مرتضیٰؓ نے جو کچھ کہا تھا: کَانَتِ الْبُیُوتُ قَبْلَهٗ وَلٰکِنَّهٗ ' اَوَّلُ بَیْتٍ وُضِعَ لِعِبَادَةِ اللّٰهِ (ابن ابی حاتم) منکروں اور دشمنوں کو بھی وہی کہنا پڑا۔ اور پھر اس سردار کے سردار ؐ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ بیت الحرام کی تعمیر بیت المقدس سے بھی چالیس سال قبل ہوئی' کون اس سے انکار کی مجال رکھتا ہے؟ اول بیت بھی یہی ہے اور آخر بیت بھی یہی۔ سب سے پہلا عبادت خانہ بھی یہی اور سب سے آخری عبادت خانہ بھی یہی۔ تعمیر اس وقت ہوا جب دنیا کی تعمیر ہوئی اور جس وقت یہ مٹے گا سارا کارخانہ حیات بھی مٹ کر رہے گا۔ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ کی اس سے زیادہ صاف' واضح اور روشن تفسیر اور کیا ہو گی؟ گھر بھی آخر کس کا ہے؟ مکان کی نسبت بھی آخر کس مکین کی جانب ہے؟ اللہ کا گھر' بے جسم و بے نشان والے کا گھر' رب السمٰوات والارض کا گھر' بیت اللہ! روئے زمین کے سارے طول و عرض میں کوئی اور گھر بھی' کہیں اور کبھی اس نام سے پکارا گیا؟

دیویوں کے منہ کتنے بنائے گئے' دیوتاؤں کے مندر کتنے سجائے گئے' بتوں کی پوجا کے لیے کیسے کیسے کلس دار شوالے سنوارے گئے اور آج بیسویں صدی کے دور جاہلیتہ الاخریٰ میں آرٹ اور سائنس کی دیویوں اور تہذیب و تمدن کے دیوتاؤں کی پوجا کے لیے' کالجوں اور یونی ورسٹیوں اور آرٹ اکیڈمیوں کے نام سے کتنے بت کدوں اور صنم خانوں کی اونچی اونچی تعمیریں کہاں اور کس حصہ زمین میں نہیں ہو رہی ہیں؟ بے شمار بُت ہیں اور بے شمار ہی بت کدے۔ لیکن وہ جو ایک اکیلا ہے' واحد اور احد ہے' یکتا اور لاشریک لہ ہے' ذرا شان توحید کا پرتو دیکھنا' اس کا مکان بھی اس عالم آب و گل میں صرف ایک ہے۔ تاریخ کے اوراق الٹ ڈالو' جغرافیے کی مدد سے اس وسیع و فراخ سطح زمین کا چپہ چپہ چھان ڈالو' بیت اللہ کے نام کی صرف یہی ایک عمارت ملے گی! اور پھر گھر بھی کیسا گھر؟ کس صفت کا گھر؟ ھُدًی لِّلنَّاس ' ساری دنیا کے لیے ہدایت رکھنے والا۔ اس کے انوار' اس کے برکات' اس کے فیوض اور اس کی ہدایات کسی ایک زمانے کے لیے' کسی ایک ملک کے لیے مخصوص نہیں' زمان کے قیود اور مکان کے حدود سے آزاد' جب اور جہاں جس کا جی چاہے اس سے فیض حاصل کرے۔ دعوے کا ثبوت الگ رہا' نفس دعویٰ بھی دنیا کے کسی دوسرے مکان نے پیش کیا ہے؟ کسی مکان سے اب تک یہ صدا بلند ہوئی ہے کہ میری تعلیمات ساری دنیا

کے لیے ہیں؟ دنیا میں بڑے بڑے مقنن اور قانون ساز آئے' بڑے بڑے مصلح آئے' کامل آئے' ولی آئے' نبی آئے' پیام لے کر آنے والے آئے' کسی نے بنی اسرائیل کے گلّے کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو راہ دکھائی' کسی نے شام میں توحید کی منادی کی' کسی نے مصر میں حق کی دعوت پہنچائی' کسی نے ہندستان میں وعظ کیے' لیکن بلاتفریق و تخصیص' ہر قوم اور ہر ملک اور ہر زمانے کے لیے پیام ہدایت نہ کسی مندر سے سنا گیا' نہ کسی پارلیمنٹ سے' نہ کسی سینیٹ ہال سے' نہ کسی چیمبر آف ڈپوٹیز سے۔ ہاں کل کائنات کے لیے' عالم و جاہل کے لیے' مشرقی و مغربی کے لیے' گورے اور کالے کے لیے یکساں پیام تسلی بجز اس گھر کے اور کہاں سے سنا گیا؟ پیام سنانے والے نے پیام سنا دیا' مکین نے مکاں کی طرف سے دعوے کا اعلان کر دیا' جن کی آنکھیں ہیں بحمد اللہ وہ آج بھی دیکھ رہے ہیں' اور جنھوں نے اپنی آنکھیں پھوڑ رکھی ہیں وہ کل دیکھیں گے کہ ہدایت و روحانیت' تصفیہ قلب و تزکیہ نفس' باطن کی پاکیزگی اور ظاہر کی آراستگی کا سرچشمہ اسی مکان سے پھوٹ کر ابل رہا ہے' اور قیامت شروع ہو جانے تک برابر ابلتا رہے گا!

مکانات لکھوکھا کے خرچ سے دنیا میں کتنے بن چکے۔ بادشاہوں کے محل بھی اور وزیروں کی کوٹھیاں بھی' رئیسوں کی حویلیاں بھی اور نوابوں کے دیوان خانے بھی' سب مٹ گئے' خاک سے بلند ہوئے تھے اور خاک میں مل گئے۔ ساسانیوں کی عشرت گاہیں اور رومیوں کے حمام کہیں باقی ہیں؟ پرتھی راج کے محل اور تیمور کے قصر و ایوان آج کیوں نظروں سے غائب ہو گئے۔ آپ کہیں گے کہ آخر آگرہ میں تاج محل اور فرانس میں ایفل ٹاور تو بہرحال موجود ہیں' لیکن اول تو دو چار صدی کی مدت بھی کوئی مدت ہے؟ اور پھر بڑی بات یہ کہ موجود محض اس حیثیت سے ہیں جیسے کہ لڑکوں کے کھلونے اور لڑکیوں کے گھروندے موجود رہتے ہیں۔ بجز ایک سیر و تماشا اور دل بہلاوے کے ان کی کوئی اور حیثیت ہے؟ تاج محل اور ایفل ٹاور کی عزت و احترام' تقدیس' کسی کے دل میں ہے؟ ایک طرف وہ لاکھوں روپے کا اینٹ اور چونا کھائے ہوئے لق و دق کھنڈر ہیں اور دوسری طرف یہ ہر تکلف و تصنع سے معریٰ' سادہ اور ستھرا اللہ کا گھر ہے۔ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَاَمْناً ' بے انداز مدت سے قائم! اور بے شمار عقیدتوں اور تعظیموں کا مرکز! لاکھوں ہر سال آتے ہیں' چومتے ہیں اور آنکھوں سے لگاتے اور طواف کرتے اور سجدہ کرتے' روتے اور گڑگڑاتے' جھکتے' اور گرتے' لاکھوں آتے ہیں اور ہر سال آتے رہتے ہیں۔

کچھ یاد ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانے کے بعد' اس کی تعمیر کی تجدید اولاد آدم میں سے کس نے کی ہے؟ اپنے ہاتھوں میں پتھر اور گارا لے کر کس نے اس کی دیواریں بلند کی ہیں؟ اللہ کے اس گھر کا معمار کون تھا! بادشاہوں کے محل تعمیر ہوتے ہیں تو بڑے بڑے کاری گر اور مہندس بلائے جاتے ہیں' گورنمنٹ ہاؤس تیار ہونے لگتے ہیں تو نامور انجینئروں کی قسمت جاگ جاتی ہے' پر اللہ کے گھر کی تیاری کے لیے اپنے

سر پر بھاری بھاری پتھر کس نے لادے؟ اپنے ہاتھ چونے اور مٹی کے گارے میں کس نے سانے؟ عرب کی چلچلاتی ہوئی دوپہروں میں ریگستانوں کی لُو کی لپٹوں میں بغیر روپے اور پیسوں کی مزدوری کے لالچ کے کس مزدور نے اپنے گوشت پوست کو جلایا' تپایا' جھلسایا؟ کون بندہ جواب دے۔ بندوں کا خالق' اس گھر کا مالک خود اپنی زبان سے اپنے گھر کے مزدور اور اس مزدور کے نور نظر کا نام چاؤ اور پیار سے لیتا ہے: وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ط (البقرہ ۲: ۱۲۷) اور جب ابراہیم اس گھر کی بنیاد اٹھا رہے تھے اور اسماعیل بھی!

مزدور جب کام کرتے ہیں اکثر کچھ گنگناتے جاتے ہیں' اللہ کے مزدور بھی جس وقت کام کر رہے تھے تو اپنی زبانوں پر مہریں نہیں لگائی تھیں۔ جس کا گھر بنا رہے تھے اسی سے کچھ مانگتے بھی جاتے تھے' ہاتھ اگر تعمیر بیت میں مشغول تھے تو دل یاد رب البیت میں۔ دل میں کسی کی یاد تھی تو زبان پر کسی کا نام! عاجزی تھی اور بندگی' مسکنت تھی اور تذلل۔ پتھر پر پتھر جوڑتے جاتے تھے اور دل کے سوز و گداز کے ساتھ چشم اشکبار کے ساتھ زبانیں اس ذکر میں مشغول تھیں: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (البقرہ ۲:۱۲۷) اے ہمارے رب! ہماری یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو تو سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے (تجھ پر تو ہماری زبان کا قال بھی روشن اور دل کا حال بھی عیاں ہے)۔

العظمة لِلّٰه! اللہ پر قربان ہونے والوں' اللہ کے خلیل کہلانے والوں کی یہ شان ہوتی ہے! اپنے کو مٹا چکے ہیں' مٹا رہے ہیں' پھر بھی دھڑکا یہی لگا ہوا ہے کہ اپنے کو مٹانا بھی قبول ہوتا ہے یا نہیں!

آپ کہتے ہیں کہ بے شک اس گھر کا سا کوئی دوسرا گھر دنیا میں نہیں لیکن خدارا یہ تو بتائیے کہ اس گھر کے سے مزدور بھی دنیا کے کسی گھر کو ملے؟ قربان اس گھر کے مالک کے' قربان اس گھر کے مزدوروں کے۔ بیت المقدس کو سلیمان علیہ السلام نے بنوایا اور جنوں سے بنوایا' لیکن اس مقدس گھر کو دیکھنا' اس کے مزدور سلیمان علیہ السلام کے تابع و محکوم جنات نہ تھے' وہ تھے جو خود سلیمان علیہ السلام کے بزرگوں کے بزرگ اور ان کے اجداد کے جد تھے! دنیا کے کس مزدور نے وہ مزدوری مانگی' جو بیت اللہ کے مزدوروں نے مانگی! اور کس کو وہ مزدوری ملی جو بیت اللہ کے مزدوروں کے حصے میں آئی؟ مزدوری کی طلب تنہا اپنے لیے نہ تھی' ہمارے لیے تھی' آپ کے لیے تھی' ان سب کے لیے تھی جو آج اپنی کوئی نماز اللہ کے مقدس گھر کے اس مقدس مزدور پر درود بھیجے بغیر ختم نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ط ○ (البقرہ ۲: ۱۲۸) اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک اُمت اپنی فرماں بردار بنا اور ہمیں ہمارے حج کے اعمال بتا اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما' اور تو بے شک رحمت سے بڑا توجہ کرنے والا

اور مہربان ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعا خالی نہیں جا سکتی تھی' گھر کے بنانے والوں کو تو جو کچھ مزدوری ملی اسے یا تو وہ خود جانیں یا مزدوری کا دینے والا' لیکن اس گھر کی زیارت کرنے والوں کو' اس گھر کا طواف کرنے والوں کو' اس گھر کی طرف سفر کرنے والوں کو' اس گھر سے تعلق رکھنے والوں کو' اس گھر کی محبت و عظمت کو دل میں جگہ دینے والوں کو کیا کچھ نہیں مل سکتا؟ کیا کچھ نہیں مل جاتا؟ کیا کچھ نہیں ملا؟ جس گھر کے یہ معمار ہوں' یہ مزدور ہوں' اس گھر کی بے حساب تقدیس اور بے انداز عزت پر کسی کو حیرت ہونی چاہیے؟ یہ سب دیکھتے ہیں کہ گھر برکتوں اور عزتوں کا گھر ہے مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ گھر کے معمار اور مزدور کیسے برکت والے' کیسی عزت والے' کیسے تقویٰ اور تقدیس والے تھے۔ روم کا عارف کہتا ہے:؎

کعبہ را کہ ہر دمے عزت فزود — آں ز اخلاصات ابراہیم بود

فضل آں مسجد ز خاک و سنگ نیست — لیک در بناش حرص و جنگ نیست

اور بالکل سچ کہتا ہے کہ کعبہ کی عزتوں اور فضیلتوں میں تم ہر لحظہ جو ترقی و برتری دیکھتے ہو' یہ ابراہیمؑ کے اخلاص و صدق نیت کا ثمرہ ہے' وہی پتھر اور وہی مٹی جس سے ہر مسجد اور ہر عمارت کی تعمیر ہوتی ہے' اس مسجد میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اس میں کوئی نئی چیز نہیں۔ نئی چیز جو ہے' وہ یہی ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی انجینیر نہ تھا' کوئی ماہر فن مہندس نہ تھا' کوئی بادشاہ وزیر نہ تھا' وہ تھا جو اپنے نفس کو پاک کر چکا تھا' اپنی خودی کو مٹا چکا تھا' اپنے کو خدا سے ملا چکا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ آسمان پر جو فرشتوں کا قبلہ ہے' بیت المعمور اور جس کے گرداگرد ہر وقت ستر ہزار ایسے فرشتے جو ایک دن کے بعد دوبارہ نہیں آتے بلکہ ان کے بجائے اسی تعداد میں نئے آ جاتے ہیں' طواف کرتے رہتے ہیں۔ یہ زمینی خانہ کعبہ ٹھیک اسی کے محاذ میں اور بالکل اس کے نیچے ہے۔ ان تجلیات رحمت و مرحمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے' جو ہر لحظہ اور ہر آن بیت المعمور سے خانہ کعبہ پر پڑتی رہتی ہوں گی؟ یہ اللہ کے خلیل ہی کی آنکھ تھی جس نے ان تجلیات اور ان انوار کا مشاہدہ کیا اور ٹھیک اسی مقام پر آدم علیہ السلام کے بعد از سر نو اللہ کا گھر بنا کر اس بارش رحمت و کرم میں سب کو شریک کر دیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

عالمِ اسلام کے نامور مفکرین کی نظامِ معیشت پر شہرۂ آفاق کتب

☆ انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ
☆ اسلام اور جدید معاشی نظریات	"
☆ معاشیاتِ اسلام	"
☆ اسلامی نظمِ معیشت کے اصول و مقاصد	"
☆ قرآن کی معاشی تعلیمات	"
☆ اسلام، سرمایہ داری اور اشتراکیت	"
☆ سُود	"
☆ مسئلہ ملکیتِ زمین	"
☆ اسلام میں عدلِ اجتماعی	سید قطبؒ شہید
☆ اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ اول، حصہ دوم	ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی
☆ غیر سودی بینکاری	"
☆ انشورنس، اسلامی معیشت میں	"
☆ شرکت و مضاربت کے شرعی اُصول	"
☆ اسلام میں حلال و حرام	ڈاکٹر یوسف القرضاوی
☆ اسلامی حکومت میں ملازموں کے حقوق و فرائض	پروفیسر لبیب السعید/ترجمہ خلیل احمد حامدی

حکمتِ دین

مفہوم' تقاضے اور بنیادی اصول

خرم مراد

جو تحریک اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے کھڑی ہوئی ہو' اس کو جہاں ایک طرف اللہ کے دین' اس کے احکام و ہدایات اور اس کی تعلیمات کا علم ہونا چاہیے' وہاں اسے حکمت کے زیور سے بھی آراستہ ہونا چاہیے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض بیان کیے ہیں' ان میں تلاوت آیات اور تزکیہ نفوس کے ساتھ ساتھ تعلیم کتاب و حکمت کا بھی ذکر کیا ہے۔ بعض کے نزدیک "آیات" سے مراد قرآن مجید کے دلائل اور "کتاب" سے مراد قرآن مجید کے احکام ہیں' جب کہ "حکمت" کے مفہوم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

حکمت کا مفہوم

بعض کے نزدیک "حکمت" سے مراد حدیث کا ذخیرہ ہے۔ یہ مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ سمجھ بوجھ' وہ ذہن اور وہ دل و دماغ ہے جو دین کا صحیح فہم رکھتا ہو' جو دین اسلام کے احکام کے اسرار' ان کی علت اور ان کی حکمت سے واقف ہو' نیز جو مختلف حالات میں دین کو صحیح طور پر منطبق کر سکے۔

اسی طرح اسلام کے احکام کی مصلحتوں' مثلاً نماز کیوں فرض کی گئی؟ شراب کیوں حرام کی گئی؟ کا ذکر ہو یا دین کے مختلف احکام کے بارے جب بھی سوال پیدا ہو' تو یہ بھی حکمت کے دائرے میں آئے گا۔

حکمت سے مراد دین کے وہ بنیادی اصول بھی ہیں' جن پر دین کی تعلیمات کا پورا نظام قائم ہے۔ حکمت کا یہ مفہوم اپنی جگہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے کہ اگر اس کا صحیح فہم ہو تو نہ صرف یہ کہ دین کی تعلیمات سمجھ میں آسکتی ہیں' بلکہ جن معاملات میں دین کی تعلیمات نہیں دی گئی ہیں' ان کے بارے میں بھی انسان اس فیصلے پر پہنچ سکتا ہے' جو دین کو مطلوب ہے۔

ظاہر ہے کہ دین نے ہر موقع' ہر واقعے اور ہر حالت کی مناسبت سے احکام کی وضاحت نہیں کی ہے۔ جو دین گذشتہ چودہ سو سال ہی نہیں بلکہ آیندہ زمانے کے لیے بھی ہے' جسے تمام اقوام عالم اور انسانی معاشروں کو رہتی دنیا تک کے لیے راہ نمائی دینا ہے' اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ چند نہایت بنیادی اصولوں کی وضاحت اور ان کا تعین تو کر دے جن کے نور سے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے' مگر ہر معاملے کے لیے تمام تفصیلات کو پہلے سے نہ طے کرے۔ لہٰذا' دین کے ان اصولوں کا فہم' جن کی بنیاد پر آیندہ دینی تعلیمات کی روشنی میں نظام مرتب ہو' "حکمت" کا ایک بڑا اہم پہلو ہے۔

حکمت کے اس مفہوم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے' کہ دین نے مختلف اصول و ضوابط کے درمیان باہمی ربط اور ان میں ترجیحات کا نظام قائم کیا ہے اور اسی بنیاد پر دین کی پوری عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ اس باہمی ربط اور ترجیحات کے نظام کا صحیح فہم تو ضروری ہے ہی' مگر دین کو سمجھنے اور دین کی اشاعت اور اقامت کے لیے سرگرم تحریک اسلامی کے لیے' مختلف حالات کے تناظر میں' اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے۔ موثر نظام جماعت' متوازن نظام تربیت' مختلف حالات اور مواقع پر دین کو صحیح طور پر پیش کرنے' رائے عامہ کو ہموار کرنے' موثر حکمت عملی اپنانے اور صحیح تنظیمی فیصلے کرنے کے لیے' حکمت کے اس مفہوم کا ٹھیک ٹھیک فہم حاصل کرنا' تحریک اسلامی کے لیے بڑا ضروری اور اہم ہے۔ محض چند احادیث کو یاد کر لینے اور مسائل کو ازبر کر لینے سے یا صرف قرآن مجید کو حفظ کر لینے سے' حکمت کے موثر فہم کے وہ تقاضے پورے نہیں ہوتے' جو کہ ناگزیر ہیں۔

حکمت دین کے بنیادی اصول

حکمت کے بے شمار پہلو ہیں' لیکن میں یہاں صرف ان اہم پہلوؤں کی طرف اختصار سے اشارہ کروں گا' جو میری نظر میں تحریک اسلامی کے لیے اہم ہیں۔ ایک اسلامی تحریک کے لیے' اپنے نظام کی صحیح خطوط پر تشکیل' پالیسی سازی' طریق کار کے تعین' افراد کی تربیت' دعوت کو موثر انداز میں پیش کرنے اور عوام الناس کو منظم کرنے کے لیے' ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہی وہ اصول ہیں جن پر دین کی پوری عمارت قائم ہے۔

انتخاب اور عمل کی آزادی

اس ضمن میں پہلی بات جسے قرآن مجید نے بنیادی اصول کے طور پر پیش کیا ہے' وہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا کے اندر اپنے عمل کی آزمائش کے لیے آیا ہے۔ بہ ظاہر تو یہ بات بڑی سادہ اور عام ہے لیکن اس کے مضمرات' نتائج اور تقاضے بڑے گہرے اور ہمہ گیر ہیں۔ وہ لوگ جو اس بات کو زبان سے دہراتے ہیں' وہ بھی اس کے مفہوم سے ناواقف ہوتے ہیں' اور جو اس کو جانتے ہی نہیں وہ تو اس سے ناواقف ہیں ہی۔

ضروری ہے کہ اس اصول پر ذرا تفصیل سے غور کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ وہ کون کون سے اہم پہلو ہیں جو اس ایک اصول میں مضمر ہیں۔

قرآن مجید نے حکمت دین کا پہلا اصول ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (الملک ۶۷:۲)

جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے۔

انسان کو زندگی اور عرصہ حیات بخشنے کا بنیادی طور پر یہی مقصد ہے۔ اس اصول کا پہلا اہم تقاضا یہ ہے کہ انسان کو ارادے، انتخاب اور عمل کی آزادی دی جائے۔ کسی امتحان میں عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے جب تک کہ امتحان دینے والے کو انتخاب اور عمل کی آزادی حاصل نہ ہو۔ یہ انسان کی بالکل بنیادی آزادی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے۔ اگر اس پر کسی قسم کا کوئی جبر ہو اور جبر کے تحت وہ کوئی کام کرنے پر مجبور ہو تو پھر ان اعمال کی حد تک وہ اللہ کے ہاں جواب دہ نہیں ہے۔۔۔۔ اسلام میں جزا اور سزا کا پورا نظام اسی اصول کے تحت قائم کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں جہاں بھی جنت اور دوزخ کا ذکر آیا ہے، وہاں یہی کہا گیا ہے کہ یہ تمھارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ کسی کے ذہن میں یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے عمل کی بنیاد پر جنت کا مستحق ٹھیرے گا یا رحمت کی بنیاد پر؟ اس بارے میں میرے ذہن میں کوئی الجھن نہیں ہے۔ دراصل اعمال کی بنیاد پر ہی انسان رحمت کا مستحق ٹھیرے گا۔ بے عمل آدمی، رحمت کا مستحق نہیں ہو گا۔ جس نے عمل کی کوشش کی ہو گی وہی اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گا، اللہ کی رحمت اسی کی دست گیری کرے گی اور وہی جنت میں داخل ہو سکے گا۔ جس کے اعمال لعنت کے مستحق ہوں گے، اسے اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جائے گا اور رحمت سے یہ دوری اسے جہنم میں لے جائے گی۔

اگر کسی کے ذہن میں ان دونوں باتوں کے بارے میں کوئی الجھن ہے، تو اسے قرآن پر غور کرنا چاہیے۔ قرآن نے واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کا ذکر ہم قدیم صحیفوں یعنی صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ سورۃ النجم میں ارشاد ہے:

اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ○ وَاِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰٓی ○ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ○ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ○ وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی ○ ثُمَّ یُجْزٰہُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ○ (النجم ۵۳: ۳۶-۴۱)

کیا اسے ان باتوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰؑ کے صحیفوں اور اس ابراہیمؑ کے صحیفوں میں بیان

ہوئی ہیں جس نے وفا کا حق ادا کر دیا؟ "یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے' اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی پھر اس کی پوری جزا اسے دی جائے گی"۔

قرآن مجید نے یہاں یہ بات بالکل صاف اور واضح طور پر کھول کر بیان کر دی ہے' کہ یہ تو ابدی تعلیم ہے اور ان تعلیمات میں سے ہے جو دین کی بنیاد ہیں۔ اسی لیے حضرت آدمؑ کو جنت میں داخل کرتے ہوئے اللہ نے انھیں یہ اختیار دیا تھا کہ چاہیں تو پھل کھائیں اور چاہیں تو نہ کھائیں۔ اسی اختیار کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے پھل کھایا' جب کہ فرشتوں کو یہ اختیار نہیں دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انھیں حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے سجدہ کیا' اس لیے کہ وہ مجبور تھے۔ حضرت آدمؑ کو مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ انھیں اختیار کی آزادی دی گئی تھی۔ اس چیز نے ان کو اللہ کے سامنے ذمہ دار اور جواب دہ ہستی بنا دیا تھا۔ وہی آدمی جواب دہ ہو سکتا ہے اور اسی سے باز پرس ہو سکتی ہے' جس کو آزادی دی گئی ہو۔ چنانچہ قرآن مجید نے انبیا کرامؑ کو بھیجنے کی بھی یہی علت بیان کی ہے' کہ ہم نے انبیا علیہم السلام کو ہدایت کے ساتھ اسی لیے بھیجا' تاکہ تمھارے پاس ہمارے خلاف کوئی حجت نہ رہے' اور کل تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا کہ دین کیا ہے؟ اور ہدایت کیا ہے؟ ہم دین پر کیسے چلیں اور اللہ کی مرضی کس طرح پوری ہو؟

اسی طرح ایمان کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو بار بار اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہم نے تم کو یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ تم جس کو چاہو ایمان کی راہ پر لے آؤ' یہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک اللہ کی مشیت ساتھ نہ دے اور اس کے قانون کے تحت یہ کام نہ ہو' تو کوئی آدمی ہدایت نہیں پا سکتا۔

اللہ نے اس بات کو کھول کر یوں بیان کیا ہے کہ:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ○ (ق ۵۰: ۳۷)

اس تاریخ میں عبرت کا سبق ہے ہر اس شخص کے لیے جو دل رکھتا ہو' یا جو توجہ سے بات کو سنے۔

گویا قرآن میں بھی ہدایت اس کے لیے ہے جو دماغ سے سوچنے اور کان سے سننے کے لیے تیار ہو۔ جو سنتا' دیکھتا اور سوچنا نہ چاہے' وہ اس سے ہدایت نہیں پا سکتا۔ نبی کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ حق کو بیان کر دے' لوگوں کے سامنے اسے آشکار کر دے اور حق کو قائم کرنے کی کوشش کرے۔ پھر فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ (الکہف ۱۸: ۲۹) "اب جس کا دل چاہے مانے' جس کا دل چاہے وہ انکار کر دے" کے مصداق لوگوں کو اس بات کی آزادی ہو گی کہ چاہے وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔

انسان کو حق قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اور آزادی دی گئی ہے۔ یہ نبی کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ لوگ اس کی ہدایت پر ضرور اسلام قبول کریں۔ نبی کو داروغہ' تھانیدار یا جرنیل بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے کہ وہ

زبردستی لوگوں کو دین میں لے آئے۔ لا اکراہ فی الدین (البقرہ ۲:۲۵۶) "دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے"۔ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا' اگر زبردستی ہو گی تو یہ انسان کی آزادی کے اندر مداخلت ہو گی جو حکمت دین کے خلاف ہے۔

انسان کو اس بات کی آزادی دی گئی ہے کہ وہ تباہی کے راستے پر جائے یا نجات کی راہ پر چلے' چاہے تو تقویٰ کی راہ اختیار کرے یا فجور کی راہ' اور چاہے تو اپنے نفس کا تزکیہ کرے یا خواہشات نفس کی پیروی کرے۔ اس کو یہ سارے اختیارات آزادی عمل کے تحت دیے گئے ہیں۔ جو بھی اس آزادی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرے گا' وہ دراصل زندگی کے بنیادی مقصد میں رکاوٹ پیدا کرے گا۔ یہ اصول بھی قرآن و حدیث میں متعدد جگہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ وہی نیکی کام آئے گی جو آدمی اپنے ارادے سے کرے گا۔ اگر آدمی غلطی سے یا کسی جبر کے تحت کوئی غلط کام کر بیٹھے تو اس پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

اس اصول سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسان آزاد اور خود مختار ہے۔ یہ آزادی و خود مختاری اس کے امتحان کے لیے ضروری ہے۔ موت کے بعد جزا اور سزا کا پورا نظام اسی اصول پر قائم ہے۔ آدمی اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے کہ اسے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اس مسئلے کا کوئی تعلق جبر و قدر کے مسئلے سے نہیں ہے کہ آدمی مجبور ہے۔ ایک ہی چیز کو دیکھنے کے کئی پہلو اور کئی زاویے ہوتے ہیں۔ اگر اس پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت تصور کیا جائے تو یہاں کوئی فرد' کوئی کام بھی اللہ کی مشیت کے بغیر نہیں کر سکتا۔ اگر ایک شخص اپنے ہاتھ سے چوری کرنا چاہے تو ہاتھ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے' اس لیے جب تک ہاتھ چوری میں اس کا ساتھ نہ دے' اس وقت تک وہ چوری نہیں کر سکتا۔ گویا جب تک اللہ کی مشیت اس کا ساتھ نہ دے' اس وقت تک وہ چوری نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے لیے مشیت کو ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جا سکتا' اس لیے کہ ہاتھ استعمال کرنے کا ارادہ تو اس کا اپنا ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ ہم نے دل پر مہر لگا دی یا ہم نے یہ کام کروایا ہے' تو وہ یہ بات مالک ارض و سموات کی حیثیت سے فرماتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی سطح پر مخاطب کرتا ہے تو پھر وہ کہتا ہے کہ اس امر کے تم خود ذمہ دار ہو' کیونکہ تم بخوبی جانتے ہو کہ آزادی عمل کا اختیار تمھیں حاصل ہے۔ تم چاہو تو جھوٹ بولو یا سچ' ظلم کرو یا انصاف' نیکی کی راہ اختیار کرو یا بدی کی راہ' تمھیں اس امر کی مکمل آزادی اور اختیار حاصل ہے۔ اگر کہیں تم ثابت کر دو کہ تم مجبور تھے تو ہم تم سے اس پر کوئی مواخذہ نہیں کریں گے اور تمھیں کوئی سزا نہیں دیں گے۔ اسی طرح اگر کبھی تم بدی کرنے پر مجبور ہو جاؤ یا کسی نے تمھارا ہاتھ پکڑ کر کوئی برا کام تمھارے ارادے اور مرضی کے خلاف تم سے کروایا تو اس کے بھی تم ذمہ دار نہیں ہو۔

اسی لیے انسان کا کوئی عذر قیامت کے دن سنا نہیں جائے گا۔ مگر اس کھلی حقیقت کو جاننے کے باوجود کہ انسان کو ارادے اور اختیار کی آزادی بخشی گئی ہے' وہاں بھی انسان یہی عذر پیش کرے گا کہ لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ (الزخرف ۴۳: ۲۰) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم بتوں کی پرستش نہ کرتے۔ اللہ فرمائے گا: نہیں! یہ بات غلط ہے۔ یہ تمھارا اپنا فیصلہ تھا۔ پھر وہ کہیں گے کہ ہمارے آباو اجداد نے ہمیں اسی بات کی تعلیم دی تھی۔ وہ صدیوں سے یہی کام کرتے چلے آئے تھے۔ انسان کمزور ہے' معاشرے میں ڈھل جاتا ہے' ہم بھی تو آخر انسان ہی تھے' کیا کرتے؟ مجبور تھے۔ مگر یہ عذر بھی قبول نہیں ہو گا۔ لوگ کہیں گے کہ یہ ہمارے بڑے اور بزرگ تھے جو ہمارے آگے آگے جا رہے تھے' اس لیے ہم ان کے پیچھے چلے گئے' یا یہ کہیں گے کہ یہ ہمارے پیر' پروہت' پجاری اور حکمران تھے' اس لیے ہم نے ان کی پیروی کی۔ کہا جائے گا: نہیں' یہ عذر بھی قابل قبول نہیں۔ پھر لوگ اللہ سے مطالبہ کریں گے کہ ان کو ہم سے زیادہ عذاب دیا جائے۔ اس پر اللہ فرمائے گا' نہیں' سب کے لیے یکساں عذاب ہے۔ بعد میں آنے والے کہیں گے کہ یہ تو پہلے جانے والوں کا طریقہ تھا جس پر ہم چل رہے تھے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا' نہیں: پہلے والے اور بعد والے' دونوں کے دونوں آگ کے عذاب میں جلیں گے' کوئی اپنے اعمال کی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتا۔

یہ تمام پہلو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بڑی تفصیل کے ساتھ آئے ہیں۔ یہی وہ بنیادی تصور ہے جس پر سارا دین قائم ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے امتحان کے لیے بھیجا ہے اور اس غرض کے لیے اس کو ارادے و اختیار کی آزادی دی ہے۔ انسان کو اختیار ہے کہ وہ جس راہ پر چاہے' چلے۔ اپنے نفس کو جس راہ پر چلانا چاہے' چلائے۔ یہ اس کا اپنا فعل ہے جس کے لیے وہ خود ذمہ دار ہے۔ اگر یہ آزادی اس کو حاصل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا جزا اور سزا کا نظام صحیح بنیادوں پر قائم نہیں رہ سکتا۔

تحریک اسلامی کے لیے اہمیت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اصول کا تحریک اسلامی سے کیا تعلق ہے؟ ملکی حالات کے تناظر میں' تحریک اسلامی کی حکمت عملی یا جماعت کے نظم اور نظام تربیت سے اس کا کیا تعلق ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حکمت دین کے اس پہلو کا تحریک اسلامی کے نظم' نظام تربیت اور حکمت عملی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ تحریک کے عملی تقاضوں اور عملی نتائج پر اس کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اگرچہ قرآن و سنت میں واضح طور پر کہیں بھی ایسے اصول یا احکام نہیں دیے گئے ہیں کہ کن حالات میں کیا کرنا چاہیے' مثلاً مخصوص حالات میں کسی فرد' جماعت یا حکومت وقت کے ساتھ کیا پالیسی یا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے؟ ـــــ لیکن اگر تحریک اور دین کا کام کرنے والے حکمت کے اس مفہوم کو بخوبی سمجھ لیں کہ مخصوص حالات میں تحریک اسلامی کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے یا کیا حکمت عملی اپنانا چاہیے؟ تو اس کے

لیے ایسے راہنما اصول بن سکتے ہیں، جن کی روشنی میں بہت سے معاملات طے ہو سکتے ہیں۔ گویا تحریک اسلامی کے لیے حکمت دین کا یہ پہلو اور اصول نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔

طریق دعوت کا تعین

اس ضمن میں پہلی بات طریقہ کار سے متعلق ہے۔

قرآن مجید نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ دین کو پھیلانے اور غالب کرنے کا طریقہ کار صرف تبلیغ کا طریقہ کار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ کار قابل قبول نہیں ہے۔ اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے اور اللہ کی زمین پر عدل و انصاف کا نظام قائم کرنے کے لیے تو انسان قوت استعمال کر سکتا ہے مگر لوگوں کو دین کی طرف بلانے اور دین قبول کرنے کے لیے قوت کا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے جہاں بھی مسلمانوں نے ملک فتح کیے، لوگوں کو پوری مذہبی آزادی دی۔ اگر کوئی عیسائی رہنا چاہے تو وہ عیسائی رہے، اپنے قانون پر ہی عمل کرے اور معاملات کے فیصلے اپنے قانون کے تحت کروانے کے لیے اپنی عدالتیں الگ سے بنائے۔ اسی لیے عالم اسلام میں یہودیوں کی عدالتیں الگ تھیں اور عیسائیوں کی عدالتیں الگ۔ ان کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ان کے گرجا گھروں اور عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا گیا اور نہ عبادت کرنے پر کسی قسم کی کوئی پابندی لگائی گئی۔ اس کے لیے اس وقت بھی قرآن مجید کا یہی اصول سامنے تھا کہ جو اپنے عقیدے اور ضمیر کے مطابق، جس مذہب پر چلنا چاہے، وہ اس پر چل سکتا ہے۔ اس میں کسی پر کوئی جبر نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کا طریقہ ہی دین کا بنیادی طریقہ ہے۔ تبلیغ کے ذریعے عام آدمی کو متاثر کر کے، دین کے لیے کھڑا کرنا ہی اقامت دین کا صحیح طریقہ ہے۔

اسی اصول کی روشنی میں تحریک اسلامی نے اقامت دین کا طریقہ کار متعین کیا ہے اور اسے اپنے دستور کا حصہ بنایا ہے۔ جس کے مطابق تبلیغ اور تلقین کے ذریعے لوگوں کی فکر کو بدلنا، رائے عامہ کو ہموار کرنا اور انھیں منظم کر کے تبدیلی لانا ہے۔ یہ ہمارا بنیادی طریقہ ہے۔ یہ طریقہ دین کے اس محکم اصول سے ثابت ہوتا ہے جس کے مطابق انسان امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے۔ وہ دین کو قبول یا رد کرنے میں آزاد ہے۔ اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی خاص راستے کو اختیار کرے۔

اگر غور کریں تو تبلیغ کے لیے چند شرائط ضروری ہیں:

تبلیغ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ کہنے والے کو کہنے کی آزادی میسر ہو۔ اگر کہنے والا اپنی بات کہہ نہیں سکتا تو اس کی بات پہنچ نہیں سکتی، ابلاغ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کہنے والے کو بات کہنے کی آزادی ہونی چاہیے اور سننے والے کو بات سننے کی۔ اس لیے تبلیغ کا عمل تو اسی وقت کارگر ہو سکتا ہے، جب سننے والے کو سننے اور قبول کرنے کی آزادی حاصل ہو اور پھر جسے وہ قبول کر لے، اس پر چلنے کی اسے آزادی ہو۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف حوالوں سے اس پہلو کا تذکرہ ملتا ہے۔ کہیں یہ کہا جاتا ہے کہ تم ان کا راستہ کیوں روکتے ہو؟ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (الانفال ۸: ۴۷) یا یہ کہ اللہ کے راستے سے روکنا کبائر گناہ میں سے ہے۔ اسی طرح لوگوں کو اپنے ضمیر اور عقیدے کے مطابق چلنے کی آزادی نہ دینے کو قرآن نے وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ ۲: ۲۱۷) (اور فتنہ خون ریزی سے شدید تر ہے) قرار دیا ہے۔ گویا خون بہانے سے بڑا جرم یہ ہے کہ انسانوں پر یہ جبر کیا جائے کہ ان کو ان کے گھروں سے اس جرم میں نکالا جائے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ ان کا راستہ روکا جائے اور ان کے کاموں میں رکاوٹ ڈالی جائے یا ان کی بات نہ سنی جائے' محض اس لیے کہ یہ ہمارے دین کو نہیں مانتے۔ یہ تمام باتیں تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ اور انسان کی آزادی رائے پر قدغن ہیں۔

یہ وہ بنیادی آزادی ہے جس کا قرآن بڑی شدت سے تحفظ کرتا ہے۔ وہ کہیں نہیں کہتا کہ تبلیغ کے لیے جبر سے کام لو۔ وہ کہتا ہے کہ اپنی عقل سے کام لو' اپنے کانوں سے سنو' اپنی آنکھوں سے دیکھو' اپنے دماغ سے سوچو اور حق کو پہچاننے کے بعد اسے قبول کرلو۔ وہی راستہ تبلیغ کے لیے موثر راستہ ہے جس میں سننے کی بھی آزادی ہو' سنانے کی بھی آزادی ہو اور قبول کرنے کی بھی آزادی ہو۔ گویا آدمی جس بات کو حق پائے اور اسے قبول کرلے تو اس پر چلنے کی بھی اسے آزادی حاصل ہو۔ اب اسے جمہوریت کہا جائے یا بنیادی حقوق یا کوئی بھی اصطلاح استعمال کی جائے' ممکن ہے چھٹی صدی میں اس کے لیے کوئی اور اصطلاحات ہوں یا تیسویں صدی میں کوئی دوسری اصطلاحات آجائیں' لیکن بنیادی طور پر سب کی روح یہی ہے۔

آج اتنے سال گزرنے کے بعد لوگ پوچھتے ہیں' کہ آخر تحریک اسلامی کو جمہوریت سے کیا عشق ہے؟ جمہوریت نے ملک کو کیا دیا ہے؟ یہ سوال اٹھانے والے احباب دراصل اس بنیادی بات کو نہیں سمجھتے اور دین کی اس بنیادی حکمت سے ناآشنا ہیں جس کی بنیاد پر تحریک نے اپنا طریقہ کار متعین کیا ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ اس ملک میں بنیادی آزادیاں برقرار رہیں' یعنی بات کہنے سننے کی آزادی' اپنے عقیدہ و نظریہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی اور ملکی نظام کو آزادی رائے کا احترام کرتے ہوئے چلانے اور دلیل سے تبدیل کرنے کی آزادی۔

مسئلہ طریق انتخاب کا نہیں ہے' بلکہ یہ اس بنیادی اصول کا مسئلہ ہے جس کے مطابق انسان امتحان گاہ میں ہے' اور وہ اپنے لیے راہ زندگی منتخب کرنے کے لیے آزاد ہے۔ اس لیے اس کو دوسرے کی بات کو سننے' قبول کرنے اور اپنے عقیدے اور رائے کے مطابق چلنے کی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ اسے حق حاصل ہے کہ وہ جو چاہے نظام بنائے' جس میں اسے ان آزادیوں کا تحفظ مل سکے۔ نظام کے خدوخال اور تفصیلات ہر زمانے میں' ہر معاشرے میں اور ہر ملک میں مختلف ہوسکتے ہیں' لیکن اس کی بنیادی روح کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔

اسی لیے قرآن مجید ان تمام حکمرانوں اور سرداروں کی مذمت کرتا ہے جو حق کا راستہ روکتے ہیں، اس کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور لوگوں کو اس راہ حق پر چلنے سے جبری طور پر روکتے ہیں۔ یہ بات کسی صورت میں برداشت نہیں کی جاسکتی کہ انسان کے اوپر کسی بھی قسم کی جبریت اور آمریت مسلط کی جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

فریضہ اقامت دین کے حوالے سے تحریک اسلامی کے کارکنوں میں ایک رائے یہ بھی پائی جاتی ہے کہ قرآن کی آیت: وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (یٰس ۳۶:۱۷) اور ہم پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے، یا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (الشوریٰ ۴۲: ۴۸) تم پر تو صرف بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، کی روشنی میں ہمارا کام بس اتنا ہے کہ ہم تبلیغ کر دیں اور اپنی بات پہنچا دیں۔ اس سے زیادہ جدوجہد کرنا اور نظام کو قائم کرنے کے لیے محنت کرنا، یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ درحقیقت یہ بات آیت کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کہی جاتی ہے۔

جب قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھاری بنیادی ذمہ داری جس کے لیے تم جواب دہ ہو، وہ دراصل حق بات پہنچانا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ عوام الناس تک حق بات پہنچانے کے بعد اسلامی نظام اور دین کا قائم ہونا یا شریعت کا نافذ ہونا، یہ کسی کے بس میں نہیں ہے کہ وہ یہ لازماً کر کے دکھا دے۔ اگر وہ کوشش کے باوجود اس میں کامیاب نہ ہو، تو اس کے لیے وہ ذمہ دار نہیں ہے اور اس کے لیے اس سے باز پرس نہیں ہو گی۔ لیکن جس نے ابلاغ کی ذمہ داری پوری نہیں کی، اس سے ضرور باز پرس ہو گی کہ تمھارے پاس حق تھا، تم نے کیوں نہیں پہنچایا؟ اسی لیے فرمایا ہے: وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (الاعراف ۷: ۶) ہم نے جن کو بھی بھیجا ہے ان کو حساب دینا ہو گا۔ اسی لیے روز محشر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ پوچھیں گے کہ ہم نے تم تک جو حق بات پہنچائی تھی، کیا تم نے اسے دوسرے لوگوں تک پہنچایا، یا نہیں۔ ان سے اس بات کا جواب طلب نہیں کیا جائے گا کہ انھوں نے دین کو قائم کیا، یا نہیں۔ البتہ تمام رسولوں اور امت مسلمہ کو اس بات کے لیے ضرور جواب دہ ٹھیرایا جائے گا کہ انھوں نے ابلاغ کا فریضہ انجام دیا، یا نہیں۔

اس لیے وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ کے معنی دراصل یہ ہیں، کہ تم لوگوں کو دین کی راہ پر زبردستی لانے کے ذمہ دار نہیں ہو۔ قرآن مجید نے یہ بات کئی مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان کی ہے، مثلاً تم چاہو تو سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ اور چاہو تو سرنگ کھود کر زمین میں گھس جاؤ، لیکن لوگوں کو صحیح راستے پر لانا تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ (الانعام ۶: ۱۰۷)۔ یعنی ہم نے تم کو وکیل، محافظ یا داروغہ نہیں بنایا ہے۔ تم کو تو صرف یہ ذمہ داری دی ہے کہ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ کے مصداق تمھارا کام حق بات

پہنچانا ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگ جمع ہوں، ان کو لے کر جماعت بنانا اور اللہ کا نظام قائم کرنا، یہ تمام تفصیلات بعد کی ہیں، لیکن بنیادی ذمہ داری صرف ابلاغ کی ہے۔ یہ ذمہ داری اگر ادا نہیں ہوگی، تو تم اللہ کے ہاں قابل سرزنش ہو گے اور تم سے بازپرس ہوگی۔

اقامتِ دین میں شخصیت کا کردار

تحریک اسلامی کے طریقہ کار کے حوالے سے اس پہلو کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ کوئی شخصیت یا انسان اتنا باکمال نہیں ہو سکتا کہ وہ مجمع عام پر ایک نگاہ ڈالے اور لوگ بدل جائیں۔ اس کی کوئی بنیاد دین اور قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو انبیاے کرامؑ کی نگاہ سے زیادہ کس کی نگاہ پاک اور بااثر ہو سکتی تھی؟ ان سے زیادہ کس کا کلام موثر ہو سکتا تھا؟ کس کے پاس ان سے زیادہ خلوص ہو سکتا تھا؟ اور کس کی شخصیت میں ان سے زیادہ کرامات اور معجزے ہو سکتے تھے؟

حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس تو یہ معجزہ تھا کہ اندھوں کی بینائی واپس آ جاتی تھی، کوڑھی اچھے ہو جاتے تھے اور مفلوج چلنے لگتے تھے، یہاں تک کہ مردے بھی زندہ ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن جو انھیں سننے اور دیکھنے کو تیار نہیں تھے، ان کو سننا اور دیکھنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ یہودیوں کے علما، فقہا اور عام افراد کانوں سے ان کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اپنے کان، آنکھیں اور دل و دماغ بند کیے رکھتے تھے۔ ان کے دلوں کی دنیا بدلنے کے لیے یہ معجزات بے اثر ہوتے تھے، حالانکہ جسمانی طور پر مفلوج اور مردہ زندہ ہو جایا کرتے تھے۔ اس سے بڑے معجزات تو کسی کے پاس نہیں تھے، لیکن وہاں بھی اللہ کے اسی قانون کا اطلاق ہوتا تھا کہ جو خود دیکھنا چاہے گا وہی دیکھے گا، جو خود سننا چاہے گا وہی سنے گا اور جو صراط مستقیم پر خود چلنا چاہے گا وہی چلے گا۔ غیب سے کوئی فرد نہیں آئے گا جو انسان کا ہاتھ پکڑ کر سیدھی راہ پر ڈال دے۔ یہ ہر فرد کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ راہ حق پر چلنے کی کوشش کرے۔ جو فرض ایک فرد پر عاید کیا گیا ہے، وہ فرض کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔

طاقت کے استعمال کا تصور

دعوت و تبلیغ اور تحریک اسلامی کے اصول و طریقہ کار کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ آدمی کا دل چاہتا ہے کہ غیب سے سب کی اصلاح کا سامان ہو جائے، یا لوگ کہتے ہیں کہ "ایسے بے حس لوگوں کا علاج تو ڈنڈے کے علاوہ کچھ نہیں ہے"۔ یہ بات زبان زدعام ہے کہ "قوم اتنی بگڑ چکی ہے کہ اس کا علاج صرف ڈنڈا ہے"۔ لیکن ڈنڈے سے قوموں کا علاج نہیں ہوتا بلکہ ڈنڈے سے تو قوموں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اگر ڈنڈے سے قوموں کا علاج ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ سے زیادہ موثر ڈنڈا اور کس کا ہو سکتا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو انبیاے کرام علیہم السلام کو ڈنڈا تھما دیتا اور پوری کی پوری قوم کی اصلاح ہو جاتی، لیکن ڈنڈے سے

قوم کی اصلاح نہیں ہوتی اور نہ اللہ کو یہ مقصود ہے۔ قوموں کی اصلاح تو کھلے بندوں تبلیغ اور حق کو دل سے قبول کرنے سے ہوتی ہے۔ ہاں' ڈنڈے کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت استعمال کیا جب قوموں پر اتمام حجت ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ڈنڈے کو استعمال کیا اور عذاب الٰہی کے نتیجے میں قوموں کی قومیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ البتہ اللہ نے کسی قوم کی اصلاح کے لیے ڈنڈے کا استعمال کبھی نہیں کیا۔

یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے راہ حق میں آزمایشوں کو برداشت کیا' مصیبتیں اٹھائیں' جدوجہد کی' سولی پر چڑھے' کوڑے کھائے' لیکن ہر حال میں اللہ کے دین کی تبلیغ کی اور اسی بات کی کوشش میں لگے رہے کہ لوگ اپنے اختیار اور ارادے سے حق کو قبول کریں اور راہ حق پر چلیں' تاکہ اللہ کے ہاں اپنے امتحان میں سرخرو ہو سکیں۔ اگر لوگ ڈنڈے کے زور پر نیکی کی راہ پر چلیں گے تو جنت میں جانے کے مستحق نہیں ہوں گے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی ڈنڈے کے زور پر کسی برائی کا مرتکب ہو گا تو وہ بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ اس لیے ڈنڈے کے استعمال یا جبر سے لوگوں کو نیکی کی طرف بلانا جائز نہیں ہے۔

تبلیغ اور موثر ابلاغ کا اصول

اقامت دین اور کار رسالتؐ کی تکمیل کے لیے اگر کوئی راستہ ہے تو وہ صرف اور صرف تبلیغ اور موثر ابلاغ کا راستہ ہے۔ اللہ نے رسالتؐ کی جس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے اپنے انبیا علیہم السلام کو مبعوث کیا' ان کا راستہ بھی یہی تھا۔ جو تحریک بھی اس کام کو کرنے کے لیے کھڑی ہو' جو کہ کار رسالتؐ ہے' اس کو دین کی اس بنیادی حکمت اور اصول سے اچھی طرح واقف ہونا چاہیے۔

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے' کہ فریضہ اقامت دین کی ادائیگی کا واحد راستہ' وسیع پیمانے پر تبلیغ اور موثر ابلاغ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ہر فرد تک پہنچا جائے' اس کو دین کی دعوت دی جائے' اپنے ساتھ ملایا جائے اور اس کی زندگی کو بدلا جائے۔ اس کے نتیجے میں پھر وہ قوت پیدا ہو سکے گی جس کے ذریعے ایک صالح اور عادلانہ نظام وجود میں آسکے۔ اس کے علاوہ ذہن میں جو بھی راستہ ہو' مثلاً کوئی مارشل لا لگ جائے' کوئی مرد صالح غیب سے آجائے اور وہ اوپر سے بیٹھ کر اصلاح کر دے' یہ ساری غلط فہمیاں دل سے نکال دینا چاہییں' کہ ان سے کوئی کام نہ پہلے ہوا ہے' نہ آج ہو سکے گا۔ اللہ کی سنت میں بھی اس بات کی کوئی گنجایش نہیں ہے' کہ اس طرح سے قوموں کی اصلاح ہو سکے۔ یہی حکمت دین کا بنیادی اصول ہے اور فریضہ اقامت دین کی بنیاد بھی۔

(یہ تحریر کیسٹ سے تیار کی گئی ہے' تدوین: **سلیم منصور خالد**)

اخوان المسلمون

حسن البنّا سے مصطفیٰ مشہور تک

ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی ○

آج عالم عرب میں عوامی بیداری' احیاے اسلام اور تنفیذ شریعت کی جو مہم زوروں پر ہے اور اسلام کی بالادستی و اقامت کی جو کش مکش عروج پر نظر آرہی ہے وہ مصر میں ابتدائی طور سے تشکیل شدہ اور پھر شام' سوڈان' اردن' فلسطین' کویت' یمن اور شمالی افریقہ میں توسیع پذیر اسلامی تحریک الاخوان المسلمون کی عظیم الشان جدوجہد' بے پناہ قربانی و ایثار اور بے بدل رفاہی و فلاحی خدمات کا ثمرہ ہے۔ یہ تحریک مارچ ۱۹۲۸ میں مصر کے ایک قصبے اسماعیلیہ میں شیخ حسن البنّا (۱۹۰۶-۱۹۴۹) کی ولولہ انگیز قیادت میں قائم ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے مصری نوجوانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔

الاخوان المسلمون کی تشکیل ایسے دور میں ہوئی جب کہ مصر میں وطنیت' قومیت' الحاد و زندقہ اور مغرب پرستی نے اپنے اثرات قائم کرنے کا آغاز کر دیا تھا اور روایتی اسلام اور تجدد کے مابین تصادم شروع ہو گیا تھا۔ ایک طرف شیخ علی عبدالرزاق[1] (۱۸۸۸-۱۹۶۶) کی کتاب الاسلام واصول الحکم نے اسلام کے سیاسی نظام اور اداروں پر شب خون مارا تھا اور خلافت کو سیاسی قوت سے بے دخل کر کے اسے مفلوج بنا دینے کی سازش کی تھی تو دوسری طرف ڈاکٹر طٰہٰ حسین[2] (۱۸۸۹-۱۹۷۱) نے الشعر الجاھلی لکھ کر خود قرآن پاک کے بارے میں شکوک و شبہات کا ماحول بنا دیا تھا۔ قاسم امین[3] (۱۸۶۳-۱۹۰۸) تحریر المراۃ اور المراۃ الجدیدۃ جیسی کتابوں کے ذریعے عرب خواتین کو اسلام سے بغاوت اور غداری پر اکسا رہے تھے۔ ان چہار طرفہ حملوں کے جواب میں اسلام پسندوں کا محاذ بڑا بودا' کمزور اور پھس پھسا ثابت ہو رہا تھا۔

○ ریڈر' شعبۂ اسلامک اسٹڈیز' علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی' علی گڑھ' بھارت

سید جمال الدین افغانی [۴] (۱۸۳۸ـ۱۸۹۷)، مفتی محمد عبدہ [۵] (۱۸۴۹ـ۱۹۰۵) اور سید رشید رضا [۶] (۱۸۶۵ـ۱۹۳۵) کے بعد مصطفیٰ صادق الرافعی [۷] (۱۸۸۱ـ۱۹۳۷)، محمد فرید وجدی [۸] (۱۸۷۸ـ۱۹۵۴) اور محب الدین الخطیب [۹] (۱۸۸۶ـ۱۹۶۹) جیسے اسلامی اصلاح کے علم برداروں کی آواز نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی۔

امام حسن البناء شہیدؒ (۱۹۰۶ـ۱۹۴۹)

شیخ حسن البنا نے مصر کی بستی محمودیہ میں ایک علم دوست اور مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ان کے والد شیخ احمد عبدالرحمٰن البنا (۱۹۶۰) کا پیشہ گھڑی سازی کا تھا مگر وہ حدیث و فقہ کے بڑے عالم تھے۔ انھوں نے امام احمد بن حنبلؒ کی مسند کو فقہی ابواب کے تحت مرتب کر کے مذکورہ احادیث پر تشریح و تحشیہ کا فریضہ بھی انجام دیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں الفتح الربانی فی ترتیب مسند الامام احمد الشیبانی، بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی، ابوداؤد طیالسیؒ کی مسند کی تشریح منحة المعبود اور امام شافعیؒ کی مسند اور سنن کی تبویب نو بدائع المسند، وہ عظیم علمی خدمات ہیں جو بڑی بڑی اکیڈیمیاں وافر وسائل کی مدد سے بھی انجام نہیں دے پاتیں۔ سولہ سال کی عمر میں ہونہار حسن البنا نے قاہرہ کے دارالعلوم میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۹۲۷ میں گریجویشن کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ فراغت کے بعد وزارت تعلیم نے آپ کو اسماعیلیہ کے مدرسہ امیریہ میں مدرس مقرر کر دیا۔ ۱۹۳۳ میں وہ قاہرہ منتقل کیے گئے تو اخوان کا صدر دفتر بھی وہیں پہنچ گیا۔ ۱۹۴۶ میں وہ سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو کر اخوان کی توسیع و استحکام کے لیے یکسو ہو گئے۔

حسن البنا تجدید و اصلاح کے داعی تھے۔ وہ اسلامی تہذیب کی بالاتری پر یقین محکم رکھتے اور اسلامی شریعت کو معاشرے میں نافذ دیکھنا چاہتے تھے۔ اسلام کے مکمل نظام کی اقامت اور طوفان الحاد و دہریت کا مکمل استیصال ان کا نصب العین تھا۔ انھوں نے طبع بلند، نگاہ پاک بین، جان بے تاب اور قلب پرسوز کا استعمال کر کے مصری معاشرے میں ہلچل مچا دی۔ ۱۹۳۳ سے ۱۹۳۹ کے مرحلے میں اخوان ایک ہمہ گیر نظریے اور جامع تحریک کے قالب میں ابھری۔ بڑی خاموشی سے مسجدوں میں وعظ و تذکیر کی محفلیں برپا ہوئیں، قصبوں اور شہروں کے دورے ہوئے، شاخوں کا قیام عمل میں آیا اور نوجوان مردوں اور عورتوں کو اسلامی تہذیب کی مکمل پیروی کی دعوت دی گئی۔ دوسرا مرحلہ ۱۹۳۹ سے ۱۹۴۵ پر محیط ہے۔ اس میں اخوان نے برملا سیاسی میدان میں قدم رکھا اور ایک مضبوط عوامی طاقت بن کر وہ منصہ شہود پر آئے اور حکومت وقت کی نظروں میں کھٹکنے لگے اور جبر و تشدد کا نشانہ بنے۔ اس مرحلے میں فواد الاول یونی ورسٹی اور الازہر یونی ورسٹی کے طلبہ و اساتذہ اور دوسرے پیشوں سے تعلق رکھنے والے تاجر، صنعت کار، انجینئر، ڈاکٹر، وکیل غرضیکہ ہر طبقے کے لوگ تحریک میں جوق در جوق داخل ہوئے۔ اخوان نے سماجی اور اقتصادی

پروگراموں میں توسیع کی' ثقافتی اور جسمانی تربیت کا اہتمام کیا اور نہایت منظم اور منصوبہ بند طریقے سے پورے ملک میں آزادی اور اسلام کا غلغلہ بلند کیا۔ انگریزوں نے اخوان کے بڑھتے ہوئے اثرات پر بندش لگانے کا فیصلہ کیا اور حسین سری پاشا کی حکومت پر دباؤ ڈالا۔ نتیجے کے طور پر اخوان کے آرگن ہفتہ وار التعارف' الشعاع اور ماہنامہ المنار پر پابندی لگا دی گئی۔ ان کا پریس مقفل کر دیا گیا اور امام حسن البنا کو قاہرہ سے قنا اور ان کے نائب احمد السکری کو دمیاط بھیج دیا گیا۔ پھر مصری پارلیمنٹ کے احتجاج پر انھیں واپس آنے کی اجازت مل گئی مگر امام کو اور اخوان کے جنرل سیکرٹری کو گرفتار کر لیا گیا۔ اخوانی حلقوں کے شدید احتجاج کو دیکھتے ہوئے حکومت نے انھیں جلد ہی رہا کر دیا (خلیل احمد حامدی' اخوان المسلمون' تاریخ' دعوت' خدمات' ص ۴۳-۴۴)۔

امام حسن البنّا کی قیادت میں اخوان کا تیسرا مرحلہ ۱۹۴۵ سے ۱۹۴۸ پر مشتمل ہے جس میں تحریک اپنے پورے عروج پر پہنچی اور مصر سے باہر عالم عرب میں اپنی شاخیں قائم کیں۔ ۵ مئی ۱۹۴۶ کو الاخوان المسلمون کے نام سے پہلی بار تحریک نے ایک روزنامہ بھی جاری کیا جس نے استعماری حلقوں میں تہلکہ برپا کر دیا۔ اس مرحلے میں اخوان نے معاشی کمپنیوں کا جال پورے ملک میں پھیلا دیا۔ انگریزوں کے مکمل انخلا کا مطالبہ ہوا اور ان سے براہ راست تصادم ہوا۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۸ کو عرب لیگ کے زیر اہتمام فلسطین میں عرب فوجیں اتریں اور یہودیوں کے خلاف جہاد شروع ہو گیا۔ اخوانی رضاکاروں نے اس جنگ میں شجاعت و بہادری اور فداکاری کی وہ روشن مثالیں قائم کیں کہ امریکہ و برطانیہ کا یہودی پریس بلبلا اٹھا۔ وزیراعظم نقراشی پاشا نے اپنے غیر ملکی آقاؤں کے دباؤ میں ۸ دسمبر ۱۹۴۸ کو مارشل لا آرڈی نینس نمبر ۶۳ کے ذریعے اخوان کو خلاف قانون قرار دے دیا اور پورے ملک میں دار و گیر اور جبر و تشدد کا بازار گرم کر دیا۔ وہ خود ایک نوجوان کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ نئے وزیراعظم عبدالهادی پاشا کے دور میں اخوان کے ہزاروں کارکن گرفتار کر لیے گئے اور امام حسن البنّا کو ۱۲ فروری ۱۹۴۹ کو خفیہ پولیس نے شبان المسلمین کے دفتر کے سامنے سربازار شہید کر دیا (انور الجندی' حسن البنا الداعیۃ' الامام' المجدد (حسن البنا شہید)' ترجمہ محمد سمیع اختر' ص ۳۱۸)۔

شیخ حسن بن اسماعیل الہضیبی ؒ (۱۸۹۱ - ۱۹۷۲)

امام حسن البنّاؒ کی شہادت کے ساتھ اخوان کے ہزاروں کارکن ڈیڑھ سال تک قید و بند کی سختیاں اٹھاتے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۵۱ میں وفد پارٹی برسراقتدار آئی تو انھیں رہائی نصیب ہوئی۔ چنانچہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۱ کو اخوان نے شیخ حسن بن اسماعیل الہضیبی کو اپنا دوسرا مرشد عام منتخب کیا۔ ۱۰ شیخ الہضیبی عربی و اسلامی علوم کے ساتھ جدید تعلیم کے رمز آشنا اور ماہر تھے۔ انھوں نے ۱۹۱۵ میں مصری کالج سے قانون کی ڈگری

حاصل کی تھی۔ مارچ ۱۹۲۴ تک وہ وکالت بھی کر چکے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے ۲۷ سالوں تک جج کے فرائض بھی انجام دیے۔ وہ عدالت عالیہ کے قانونی مشیر بھی رہے۔ انھیں شیخ حسن البنا کی شہادت کے بعد اخوان کا سربراہ بنایا گیا تو ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔

شیخ ہضیبی نے قیادت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد شاہ فاروق اور جمال عبدالناصر (۱۹۱۸۔۱۹۷۰) دونوں کے دور میں کوشش کی کہ اخوان تمام قوانین و ضوابط کی پوری پابندی کریں اور حکومت سے کوئی تصادم مول نہ لیں۔ فروری ۱۹۵۰ سے اکتوبر ۱۹۵۱ تک وفد پارٹی نے مصطفیٰ کمال پاشا کی وزارت عظمیٰ میں ملک کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس عرصے میں اس نے برطانیہ سے ۱۹۳۶ میں کیے گئے اس معاہدے کی تنسیخ کا اعلان کیا جس کی رو سے 'مصر' برطانیہ کی فوجی چھاؤنی بنا ہوا تھا اور سویز پر برطانیہ اور فرانس نے مشترکہ اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ اخوان نے اس اعلان کا زبردست خیر مقدم کیا اور اس گوریلا فوج میں شامل ہو گئے جس نے سویز کے علاقے میں آزادی کی جنگ لڑی۔ اخوان اور مصری حکومت کے درمیان یہ تعاون اچھے اثرات پر منتج ہوا اور طرفین کے درمیان شکوک و شبہات کے بادل کم ہوئے۔

۲۳ جولائی ۱۹۵۲ کو مصر میں شاہ فاروق کا تختہ الٹ کر گیارہ افسروں کی خفیہ فوجی تنظیم نے جو آزاد افسروں کی سوسائٹی کہلاتی تھی، انقلاب برپا کر دیا اور بادشاہت کو ختم کر کے مصر کو جمہوریہ قرار دیا۔ ۷ ستمبر کو نئے کمانڈر انچیف جنرل نجیب وزیراعظم مقرر ہوئے جنھیں جمال عبدالناصر (۱۹۱۸۔۱۹۷۰) نے ۱۸ اپریل ۱۹۵۴ کو برطرف کر کے خود وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیا اور انھیں صدر مملکت بنا دیا۔ پھر ۱۴ نومبر ۱۹۵۴ کو جنرل نجیب کو صدارت کے عہدے سے بھی ہٹا دیا اور اس طرح پورے ملک کے مالک و مختار بن گئے۔ ناصر آمریت کے دلدادہ اور عوامی شراکت کے خلاف تھے۔ وہ ملک میں جمہوریت اور سیاسی اصطلاحات کے دشمن تھے۔ بس یہیں سے اخوان ان کی نگاہوں میں خار بن کر کھٹکنے لگے۔

شیخ الہضیبی نے قائد اخوان کی حیثیت سے پوری کوشش کی کہ تحریک اسلامی جبر و تشدد اور ہنگامہ دار و گیر سے محفوظ رہے۔ اس سلسلے میں انھیں اخوانی نوجوانوں کے ایک انتہا پسند گروہ کی سخت مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے قرآن و سنت سے دلائل فراہم کیے کہ ہمارا فریضہ دعوت و اصلاح کی ان تھک کوشش کرنا ہے۔ افراد و اقوام کو زبردستی اور قوت کے استعمال کے ذریعے راہ راست پر لانا ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔ نیز غیر اسلامی معاشرے میں رہنے والے مسلمان اپنی نیت اور عمل کے مطابق اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ان کے خلاف تکفیر و تفسیق ہمارے دائرہ کار سے باہر ہے۔ قوت کے استعمال پر آمادہ ان نوجوانوں کی تفہیم کے لیے آپ نے معروف زمانہ کتاب تصنیف کی۔ دعاۃٌ لا قضاۃٌ (ہم داعی ہیں مفتی نہیں)۔ کتاب کے مقدمے میں ناشر نے وضاحت کی ہے کہ:

اخوان دار و گیر اور قید و بند کے جاں گسل مراحل سے گزرے۔ اس کے رد عمل میں بعض لوگوں نے (مخالف اخوان) مسلمانوں کی تکفیر کا نعرہ دیا اور ان کے اسلام و ایمان کے بارے میں شکوک پیدا کر دیے۔ اخوان نے جیلوں کے مصائب و شدائد کے باوجود اس غلط فہمی کو رفع کرنے اور اس نکتہ نظر کو تبدیل کرنے کی فوری کوشش کی اور یہ اقدام کسی خوف یا ترغیب کی خاطر نہیں بلکہ محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیا گیا۔ اس وقت ان کے مرشد عام' استاذ حسن اسماعیل الہضیبی رحمتہ اللہ علیہ نے اس دعوے کی تردید میں اپنا جامع و مانع کلمہ بلند کیا جس نے اخوان المسلمون کے طریق راہ کا تعیین کر دیا' ان کے منہاج عمل کی صراحت کر دی اور ان کے نصب العین کو متعین اور مشخص کر دیا کہ "ہم داعی ہیں' مفتی نہیں ہیں"۔

بہ ظاہر اس فتنے کا سدباب ہو گیا تھا مگر دشمنان حق کہاں سپر ڈالنے والے تھے۔ وہ خالص اسلامی تحریکوں کی تصویر مسخ کرنے کے لیے اپنے ناپاک ارادوں سے کیسے دست بردار ہو سکتے تھے حالانکہ انھوں نے بچشم خود دیکھ لیا تھا کہ عوام دعوت اسلامی کے لیے سراپا انتظار ہیں۔ انھیں یقین تھا کہ امت مسلمہ کے ذوق و وجدان پر غیر اسلامی تحریکوں کا کھوٹ اور مصنوعی ملمع سازی بے نقاب ہو چکی ہے اور وہ پورے اخلاص' یکسوئی اور جذبے کے ساتھ اپنے رب کی طرف پلٹنے اور شریعت اسلامی کو دستور و قانون اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط اخلاقی و سیاسی اور اقتصادی و معاشرتی نظام کے طور پر اپنانے کے لیے آمادہ ہے۔ یکایک ہم نے اخبارات میں جماعۃ الھجرۃ "کی مسلسل گونج سنی جو ان افکار و عقائد کے بارے میں انتہاپسندی' جذباتیت اور اشتعال کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کینہ پروری اور مکاری کی ایک نئی چال ہو تاکہ عوام الناس داعیان دین سے وحشت زدہ اور متنفر ہوں (حسن اسماعیل الہضیبی' دعاۃ لاقضاۃ ابحاث فی العقیدۃ الاسلامیہ و منہج الدعوۃ الی اللہ' دار الطباعۃ والنشر الاسلامیہ' قاہرہ' ۱۹۷۷ء' ص ۵-۶)۔

فکر اسلامی میں سرایت کرنے والی انتہاپسندی اور تشدد کا شیخ حسین الہضیبی نے بروقت نوٹس لیا اور ان تمام عقائد و افکار سے بحث کر کے قرآن و سنت اور علما اہل سنت کے دلائل کی روشنی میں معتدل اور صاف و شفاف منہاج فکر و عمل کی تائید کی۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کی فصلوں کی سرخیوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ ۱۔ مقدمہ' تعریف' بعض الاصول' ۲۔ کلمہ شہادت کے معنی و مفہوم اور فقہی مباحث' ۳۔ جحود' کفر' شرک' ارتداد اور نفاق کا مفہوم' ۴۔ حاکمیت اللہ کا مفہوم اور اس کے مضمرات' ۵۔ حکومت و تشریع اور قانون سازی کے سلسلے میں اخوان کا عقیدہ' ۶۔ عقیدے میں جہل و خطا کے احکام' ۷۔ بعض نظریات کی تردید' ۸۔ اطاعت و اتباع کا شرعی مفہوم اور اعتراضات کا جائزہ' ۹۔ اسلامی حکومت۔ تعریف و تعیین' ۱۰۔

کفر بالطاغوت کا مفہوم' ۱۱- قرآن کریم سے براہ راست تعامل اور اجتہاد کی شرائط۔

کتاب کے آخر میں ناشر نے بعض سوالات اور ان کے جوابات کا اضافہ کر دیا ہے۔ یہ سوالات اخوانی حلقوں کی جانب سے قائم کیے گئے تھے جن کے جواب میں شیخ ہضیبی نے فقہ اسلامی کے موقف کی وضاحت کی تھی۔ سوالات یہ تھے:

سوال نمبر ۱: کلمہ شہادت کے اقرار کے ساتھ صحابہ کرامؓ کو خالص اسلامی ماحول میسر آ جاتا تھا۔ اگر وہ اسلامی ماحول آج فراہم نہ ہو سکے تو ضروری ہے کہ اس معاشرے سے آدمی ہجرت کر جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے فرمایا تھا: "تم مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کی پیروی کرو"۔ پوچھا: اگر کوئی جماعت اور امام نہ ہو؟ آپؐ نے فرمایا: "تو تمام فرقوں سے الگ تھلگ رہو خواہ تمھیں کسی درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے یہاں تک کہ تمھیں موت آ جائے اور تم اسی موقف پر قائم رہو"۔ اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟

سوال نمبر ۲: کلمہ شہادت کا اقرار کرنے والا کافر نہیں قرار دیا جا سکتا مگر نام نہاد مسلمانوں کے معاشرے کو اسلامی معاشرہ بھی نہیں کہا جا سکتا' اس لیے کہ اس کے بیشتر افعال اسلام کے خلاف ہوتے ہیں۔ ایسے معاشرے کا شرعی حکم کیا ہو گا؟

سوال نمبر ۳: قرآن و سنت میں لفظ "جاہلیت" کا استعمال کن متعین معنوں میں ہوا ہے؟ کیا آج کے نام نہاد مسلم معاشرے کو جاہلی معاشرہ کہا جا سکتا ہے؟

سوال نمبر ۴: اگر اسلام کا نام لینے والی حکومت ہو تو الجماعۃ کا کردار کیا ہو گا اور اس کے وجود کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟

سوال نمبر ۵: دین میں "اکراہ" کی مزید وضاحت درکار ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ داعیان دین کے لیے بحیثیت جماعت رخصت پر عمل کرنا درست نہیں ہے؟

سوال نمبر ۶: کیا بغیر جماعت سے وابستگی اختیار کیے زندگی گزارنا جائز ہے؟ اور کیا جماعت سے خروج' ملت سے خروج کے ہم معنی ہو گا؟ اگر کوئی شخص کسی ایسی تنظیم سے وابستہ ہے جو اپنے پروگراموں میں اسلام سے ہم آہنگی نہیں رکھتی یا وہ تنظیم جماعت اسلام کے خلاف برسرپیکار ہے تو تنظیم سے وابستہ مسلمان کو کیا مسلمان تصور کیا جائے گا؟

سوال نمبر ۷: اگر کسی مسلمان کا ظاہری اور عملی رویہ تمام تر شریعت سے دوری پر منتج ہو رہا ہو تو کیا اس کا یہ مطلب لینا درست نہ ہو گا کہ اس کے عقیدے میں خرابی موجود ہے؟ (ایضاً' ص ۱۷۳-۱۸۷)۔

اخوانی نوجوانوں کی مبنی بر اعتدال و توازن' تفہیم و تعامل کے ساتھ شیخ ہضیبی نے تنظیم کے اسلامی

تشخص پر آنچ نہ آنے دی اور رنج و محن کے تمام نازک مرحلوں سے گزرنے کے باوجود ملک میں اسلامی اور جمہوری اقتدار کی بحالی کے مطالبے پر وہ ڈٹے رہے۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۲ کو وزیراعظم جنرل محمد نجیب نے نئی وزارت کی تشکیل کی تو اخوان کے تین وزیروں کو اس میں شامل کرنے کی پیش کش کی۔ مکتب الارشاد (اخوان کی مجلس شوریٰ) نے اسے مسترد کر دیا۔ دراصل شیخ ہضیبی ایسی حکومت میں شامل ہونے کے لیے تیار نہ تھے جس میں اصل اختیارات حکومت کو نہیں بلکہ فوجی انقلابی قیادت کو حاصل ہوں۔ اخوان نے حکومت سے باہر رہ کر تمام اچھے کاموں میں اس کی تائید کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ملک میں اسلامی نظام کے احیا کا مطالبہ بھی دہرانا شروع کر دیا۔ اخوان کے اخبار المسلمون نے اگست ۱۹۵۲ کے شمارے میں احکام اسلامی کی تنفیذ اور پورے ملک میں اسلامی اخلاق و ثقافت کی ترویج پر ایک زبردست مضمون شائع کیا۔ ۱۲ جنوری ۱۹۵۳ کو انقلابی کونسل نے تمام سیاسی پارٹیوں پر پابندی لگائی تو شیخ ہضیبی نے دور اندیشی سے کام لے کر اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور فوج کا ساتھ دینا مناسب نہ سمجھا۔ ۲۳ جنوری ۱۹۵۳ کو سرکاری پارٹی "ہیئتہ التحریر" کے مسلح سواروں نے فائرنگ کر دی جس کا جواب طلبہ نے بھی ترکی بہ ترکی دیا۔ پھر کیا تھا اسے بہانہ بنا کر ۱۳ جنوری ۱۹۵۴ کو اخوان المسلمون کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ یکم ستمبر ۱۹۵۴ کو برطانیہ سے معاہدۂ انخلا پر دستخط ہوئے تو اخوان نے اسے مسترد کر دیا۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۴ کو جمال عبدالناصر پر قاتلانہ حملہ ہوا جس کا الزام اخوان پر لگایا گیا اور اس کے کارکن گرفتار کر لیے گئے۔ مصر کے مشہور اخبار المصری کے مدیر احمد ابو الفتح کا بیان ہے کہ چند ہفتوں کے اندر اندر گرفتار ہونے والوں کی تعداد ۵۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ آخر کار ۷ نومبر ۱۹۵۴ کو فوجی عدالت نے چھ ممتاز اخوانی رہنماؤں کو صفائی کی سہولت مہیا کیے بغیر سزائے موت دے دی۔ وہ چھ رہنما یہ تھے:

۱۔ عبدالقادر عودہ، نائب مرشد عام، ۲۔ شیخ محمد فرغلی، مکتب الارشاد کے رکن رکین، ۱۹۵۱ میں معرکہ سویز میں اخوانی دستوں کے کمانڈر، جن کے سر کی قیمت انگریزی فوج کی ہائی کمان نے ۵ ہزار پونڈ مقرر کی تھی۔ ۳۔ یوسف طلعت، شام کی تنظیم کے نگران اعلیٰ، ۴۔ ابراہیم الطیب، قاہرہ زون کی خفیہ تنظیم کے سربراہ، ۵۔ ہنداوی دویر ایڈووکیٹ، ۶۔ عبداللطیف۔

سزا پانے والے ان مجرموں میں مرشد عام شیخ ہضیبی کا نام بھی شامل تھا مگر ان کی درازی عمر کی وجہ سے یہ سزا عمر قید میں تبدیل ہو گئی۔

مارچ ۱۹۶۴ میں مصر میں ہنگامی حالت کے خاتمے کا اعلان ہوا تو تمام سیاسی قیدی رہا کر دیے گئے جن میں اخوان بھی شامل تھے مگر جمال عبدالناصر نے ایک ہی سال کے بعد پھر دار و گیر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جولائی ۱۹۶۵ میں حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں تقریباً ۲۰ ہزار سے ۵۰ ہزار تک اخوان جیلوں میں

ٹھونس دیے گئے جن میں ۷۰۰ سے ۸۰۰ تک خواتین بھی شامل تھیں۔ ان گرفتار شدگان میں مرشد عام کے علاوہ سید قطب اور ان کے بڑے بھائی محمد قطب اور دو بہنیں حمیدہ قطب اور امینہ قطب بھی اس اعزاز کی مستحق قرار پائیں۔ مرشد عام کو ۳ سال کی قید باشقت کی سزا سنائی گئی' جب کہ سید قطب کو ۲۵ اگست ۱۹۶۶ کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ خود مرشد عام کی صحت اب کافی خراب رہنے لگی تھی۔ قید سے رہا ہونے کے بعد وہ اپنی توانائی اور قوت بحال نہ کر سکے۔ آخر کار ۱۹۷۳ میں وہ بھی شہیدان راہ وفا میں شامل ہو گئے۔

شیخ ہضیبی کی زندگی میں اخوان المسلمون بڑے نازک اور زہرہ گداز مرحلوں سے دوچار ہوئی مگر مرشد عام کی فراست' بصیرت' ایمان اور استقامت اور صبر و رضا کی خصوصیات نے تنظیم کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔ انھی صبر آزما لمحات میں سے ایک تاریخ ساز لمحہ وہ بھی تھا جب قیادت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے بعد آپ نے مکتب الارشاد (مجلس شوریٰ) کا انتخاب کرایا اور بعض ارکان کے طرز عمل سے آپ کو شکایت ہوئی مگر آپ نے اظہار نکیر نہ کیا۔ جمال عبدالناصر کی شہ پاکر ایک رکن عبدالرحمٰن سندی نے بغاوت کا طبل بجا دیا اور تحریک کو دو ٹکڑوں میں بانٹنے کی سازش کی مگر اس کی دال نہ گلی تو اس نے فوجی نوجوانوں کی مدد سے رات کو مرشد عام کے گھر پر ہلہ بول دیا۔ ٹیلی فون کی تاریں کاٹ دیں اور شیخ کو زبردستی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔ کسی دور دراز مقام پر لے جا کر بندوق کی نوک پر آپ سے مطالبہ کیا کہ اخوان کی قیادت سے استعفیٰ دے دیں۔ ان کم عقلوں کو پتا نہ تھا کہ اس اوچھی حرکت سے مرشد عام دباؤ میں آنے والے نہیں۔ اس چال میں ناکامی کے بعد عبدالرحمٰن سندی نے ۴۰ مسلح افراد کے ذریعے مرکزی دفتر پر قبضہ جمالیا اور رات بھر وہاں براجمان رہے۔ مقصد اشتعال پیدا کر کے باہمی تصادم کے لیے راہ ہموار کرنا تھا مگر مرشد عام کی فراست اور ایمانی ذکاوت نے ایک بہت بڑے بحران کو ٹال دیا۔

سچی بات یہ ہے کہ شیخ ہضیبی کی پوری زندگی ان کے اس معروف قول کی ترجمان تھی:

اِقِیمُوا دولةَ القرآن فی اِنفسِکم تَقُم فی اِرضِکم

(قرآن کی حکومت اپنے دلوں میں قائم کرلو' زمین پر یہ خود بخود قائم ہو جائے گی)۔

(جاری)

حواشی و تعلیقات

(۱) شیخ عبدالرزاق (۱۸۸۸-۱۹۶۶) مصری شریعہ کورٹ کے جج' مختلف فیہ مصنف' جن کی معروف زمانہ کتاب الاسلام واصول الحکم بحثٌ فی الخلافة والحکومة فی الاسلام قاہرہ سے پہلی بار ۱۹۲۵ میں

شائع ہوئی اور عالم عرب میں شدید مخالفت و اضطراب کا سبب بنی۔ علما ازہر کی مجلس اعلیٰ نے اس کتاب پر پابندی لگا دی اور اس کے مصنف کو جج کے عہدہ سے معزول ہونا پڑا۔ مصنف مصر کی المیناولایت کے ایک گاؤں ابو جرج کے ایک مشہور زمین دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ جامعہ ازہراور آکسفورڈ یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد المنصورہ شریعہ کورٹ میں جج مقرر ہوئے۔ اپنے بھائی کی خدمات اور زندگی پر شیخ نے من آثار مصطفی عبدالرزاق کی ترتیب کی جو قاہرہ سے ۱۹۵۷ میں شائع ہوئی۔ ان کی تیسری تصنیف الاجماع فی الشریعة الاسلامیة قاہرہ ہی سے ۱۹۴۷ میں شائع ہوئی۔

(۲) ڈاکٹر طہٰ حسین (۱۸۸۹-۱۹۷۱) مصر کے ناول نگار' ادیب اور متجدد بالائے مصر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو گئے۔ ۱۹۰۲ میں ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد قاہرہ آئے اور جامعتہ الازہر میں داخلہ لے لیا مگر جلد ہی وہاں سے نکل کر قاہرہ یونی ورسٹی پہنچ گئے جہاں سے ۱۹۱۴ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یورپ کا سفر کیا اور ۱۹۱۹ میں پیرس سے دوبارہ ڈاکٹریٹ کیا۔ وہیں ایک فرانسیسی خاتون سوزان سے شادی کر لی۔ ۱۹۵۰ سے ۱۹۵۲ کے سالوں میں وزارت تعلیم کے ایک مشیر اور پھر باقاعدہ وزیر تعلیم کی حیثیت میں انھوں نے مغربی تعلیمی نظام کی روشنی میں تعلیمی اصلاحات کے اقدامات کیے۔ طہٰ حسین کی اصل شہرت ان کی ادبی و تنقیدی تخلیقات اور متنازع افکار و نظریات کی وجہ سے ہوئی۔ الشعر الجاهلی کے علاوہ ان کی ایک اختلافی کتاب مُستقبل الثَّقافَة فی مصر بھی ہے جس میں مغرب کی تقلید پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ خود نوشت الایام کو عربی ادب میں ممتاز مقام حاصل ہوا۔

(۳) قاسم امین (۱۸۶۳-۱۹۰۸) مصر کے معروف ادیب اور سماجی مصلح جنھیں محرر المراة (عورتوں کو آزادی دلانے والا) کا خطاب دیا گیا۔ ایک گاؤں طرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد امیرالای محمد بک امین کے ساتھ اسکندریہ منتقل ہو گئے اور وہیں قاہرہ میں تعلیم و تربیت مکمل ہوئی۔ فرانس سے قانون میں ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۸۵ میں وطن واپس ہوئے اور ملازمت اختیار کر لی۔ قاہرہ میں وفات ہوئی۔ ان کی دونوں کتابوں تحریر المراة اور المراة الجدیدة نے مصر میں بڑا ہنگامہ برپا کیا۔ ان کی ایک اور تصنیف کلمات قاسم بک امین بھی طبع ہو چکی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سطوت ریحانہ' قاسم امین کی سماجی اور ادبی خدمات' اسلامک بک فاؤنڈیشن' نئی دہلی' ۱۹۹۷۔

(۴) سید محمد بن صفدر جمال الدین افغانی (۱۸۳۸-۱۸۹۷) افغانستان کے شہر اسعد آباد میں پیدا ہوئے اور کابل میں پروان چڑھے۔ یوروپ' ایشیا اور عالم اسلام کا دورہ کیا اور وہاں اصلاح و بیداری کی روح پھونکی۔ شیخ محمد عبدہ کے ساتھ مل کر پیرس سے ۱۸۸۴ میں العروة الوثقیٰ جاری کیا۔ عربی' فارسی' ترکی اور سنسکرت

زبانوں کے ماہر تھے۔ فرانسیسی' انگریزی اور روسی زبانیں بھی سیکھی تھیں۔ آپ کی کتابیں تاریخ الافغان' رسالہ الرد علی الدھریین طبع ہو چکی ہیں۔ محمد پاشا مخزومی نے آپ کی بیشتر آرا و نظریات کو خاطرات جمال الدین الافغانی میں جمع کر دیا ہے۔ محمد سلام مذکور کی جمال الدین الافغانی باعث النھضة الفکریة فی الشرق' آپ کی زندگی اور مشن کا اچھا تجزیہ کرتی ہے۔

(۵) سید محمد رشید رضا (۱۸۶۵ـ۱۹۳۵) طرابلس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کرنے کے بعد شیخ حسین الجسر (م ۱۹۰۹) کے مدرسے سے جدید علوم اور اسلامیات کی تکمیل کی۔ یہاں ترکی اور فرانسیسی زبانیں سیکھنے کا بھی موقع ملا۔ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ سے آغاز ہی سے مستفید ہوتے رہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں مصر میں برپا سلفی اصلاحی تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۸۹۷ میں محمد عبدہ سے وابستگی اختیار کر لی۔ ۱۸۹۸ میں قاہرہ سے اپنا رسالہ المنار جاری کیا جو ان کی وفات تک پابندی سے نکلتا رہا۔ آپ کے افکار کا مرکزی نکتہ اسلام کا تصور خلافت ہے۔ اس موضوع پر آپ نے الخلافة او الامامة العظمٰی تحریر کی اور اس نظام کے احیا کے لیے عملی جدوجہد کی۔ استاذ عبدہ کی تفسیر قرآن جو تفسیر المنار کے نام سے معروف ہے' ۱۲ جلدوں کی ترتیب و تدوین آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ تین جلدوں میں تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ' نداء للجنس اللطیف' الواحی المحمدی' یسر الاسلام واصول التشریح العام' الوھابیون والحجاز' شبھات النصاریٰ وحجج الاسلام آپ کی اہم کتابیں ہیں۔

(۶) مفتی محمد عبدہ (۱۸۴۹ـ۱۹۰۵) مصر کے ایک گاؤں شنزا میں پیدا ہوئے۔ بحیرہ کے محلہ نصر میں پروان چڑھے۔ تعلیم الجامع الاحمدی طنطا اور پھر جامعۃ الازہر میں ہوئی۔ جریدہ الوقائع المصریة کی ادارت بھی کی۔ فرانسیسی زبان بھی سیکھی۔ برطانوی احتلال کے بعد عرابی انقلاب میں پیش پیش رہے۔ تین ماہ گرفتار رہے پھر جلاوطن کر دیے گئے۔ ۱۸۸۴ میں العروة الوثقٰی پیرس سے نکالا۔ ۱۸۸۸ میں وطن واپس ہوئے اور بعد میں دیار مصریہ کے مفتی مقرر ہوئے۔ اسکندریہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ نامکمل تفسیر القرآن الکریم کے علاوہ رسالة التوحید' رسالة الواردات' الاسلام والنصرانیة مع العلم والمدنیة وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔

(۷) مصطفٰی صادق الرافعی (۱۸۸۱ـ۱۹۳۷) مصر کے ادیب' شاعر اور اسلامی مصنف کی پیدائش بہتیم میں اور وفات طنطا میں ہوئی۔ کلاسیکی اسلوب نگارش کے ماہر اور دور جدید کے جاحظ سمجھے جاتے ہیں۔ مصر میں قدیم و جدید اور اسلام و مغرب پرستی کی کش مکش میں وہ اسلام کے ترجمان اور وکیل تصور کیے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں اعجاز القرآن والبلاغة والنبویة اور تحت رایة القرآن ان کی معروف تصانیف ہیں۔ طہ

حسین کی الشعر الجاھلی کا جواب بھی آپ نے المعرکة کے نام سے دیا۔ آپ کی دیگر تصنیفات میں تین اجزا میں دیوان شعر ' دو حصوں میں تاریخ' آداب العرب' رد علی العقاد' تین حصوں میں وحی القلم کافی مشہور ہیں۔ محمود ابو ریہ نے رسائل الرافعی کے نام سے آپ کے ادبی و سیاسی رسائل کو جمع کر دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے محمد سعید العریان کی حیاة الرافعی۔

(۸) محمد فرید وجدی (۱۸۷۸۔۱۹۵۴) مصر کے نامور محقق اور ماہر انشاپرداز' اسکندریہ میں پیدائش ہوئی۔ وہیں پروان چڑھے۔ کچھ دنوں تک دمیاط میں بھی رہے جہاں ان کے والد وکیل محافظ تھے۔ پھر والد ہی کے ساتھ سوئز کے علاقہ میں منتقل ہو گئے اور وہاں سے مجلّہ الحیاة نکالا۔ وہیں سے ۱۸۹۹ میں الفلسفة الحقة فی بدائع الاکوان بھی شائع کیا۔ فرانسیسی زبان میں تطبیق الدیانة الاسلامیة علی نوامیس المدنیة ' لکھی اور خود ہی عربی میں اس کا ترجمہ اسی نام سے شائع کیا لیکن اگلی اشاعت میں عربی نام بدل کر المدنیة والاسلام رکھ دیا۔ قاہرہ میں دیوان الاوقاف میں معمولی ملازمت بھی کی۔ اس کے بعد روزنامہ الدستور اور پھر ہفت روزہ الوجدیات بھی جاری کیا۔ دس جلدوں میں دائرة معارف القرن الرابع عشر' العشرین ' مرتب کی جو اہم علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے۔ قرآن پاک کی مختصر تفسیر صفوة العرفان کے نام سے لکھی۔ قاسم امین کی المراة الجدیدة کے جواب میں المراة المسلمة تحریر کی اور اسلام کا مدلل دفاع کیا۔ اسی نوعیت کی آپ کی دوسری کتاب نقد کتاب الشعر الجاھلی لطهٰ حسین بھی معروف ہے۔ ۲۰ سالوں سے زائد عرصے تک مجلّہ الازھر کی ادارت کی۔ قاہرہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۹) محب الدین الخطیب (۱۸۸۶۔۱۹۶۹) دمشق میں پیدا ہوئے۔ اور پھر وہیں آستانہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۴ھ میں دمشق میں النہضة العربیة انجمن کی بنیاد ڈالنے میں آپ بھی شامل تھے۔ صنعاء منتقل ہوئے تو ترکی کے مترجم کی حیثیت میں کام کیا۔ ۱۹۰۸ کے عثمانی دستور کے اعلان کے بعد دمشق واپس آ گئے۔ ۱۹۰۹ میں المؤید قاہرہ کی ادارت میں بھی ہاتھ بٹایا۔ ۱۹۱۶ میں عرب انقلاب کا اعلان ہوا تو اس کی حمایت کی۔ جریدہ القبلة کی ادارت سنبھالی تو اس کے ذریعے آزادی کی روح پھونکی۔ چنانچہ عثمانی حکومت نے غائبانہ میں ان کو پھانسی کی سزا سنائی۔ دمشق سے عثمانیوں کے انخلا کے بعد ۱۹۱۸ میں وہ واپس آ گئے اور جریدہ العاصمة کی ادارت کی۔ ۱۹۲۰ میں وہاں فرانسیسیوں کے داخلے کے بعد وہ قاہرہ چلے گئے اور وہاں مجلّہ الزھراء اور الفتح نکالا۔ جمعیة الشبان المسلمین کے اولین بانیوں میں سے تھے۔ ۶ برس تک مجلّہ الازھر کے مدیر رہے۔ المکتبة السلفیة قائم کر کے متعدد کلاسیکی عربی کتابیں طبع کیں۔ مشہور تصانیف یہ ہیں: اتجاہ الموجات البشریة فی جزیرة العرب' تاریخ مدینة الزھراء بالاندلس' ذکری موقعة حطین' الازھر ماضیه وحاضره والحاجة الی اصلاحه الرعیل الاول فی الاسلام وغیرہ۔

(۱۰) شیخ حسن البنا کی مظلومانہ شہادت کے بعد اخوان کی اعلیٰ صفوں میں بڑی قد آور شخصیات قیادت کے لیے موجود تھیں اور وہ سب مرشد عام کے منصب کے لیے موزوں تھیں، صالح عشماوی ایڈووکیٹ، استاذ عبدالرحمٰن البنا (حسن البنا کے حقیقی بھائی)، عبدالحکیم عابدین (سیکرٹری جنرل اخوان)، استاذ الباقوری (عالم دین) وغیرہ۔ ارکان نے آپس میں قیادت کے مسئلے پر غیر رسمی گفتگو شروع کی۔ آخر کار بحث کے دوران استاذ منیر الدلہ نے جو اس وقت پارلیمنٹ کے رکن تھے، ایک تجویز پیش کی اور دو اہم ارکان استاذ فرید عبدالخالق اور استاذ صالح ابو رقیق نے حمایت کی۔ تجویز یہ تھی کہ اخوان کی جانی پہچانی شخصیتوں کے بجائے ایسا کارکن اس منصب کے لیے منتخب ہو جو ایک تو عدلیہ میں سے ہو اور دوسرے زیادہ مشہور نہ ہو۔ چنانچہ ۱۹۵۲ میں استاذ صالح عشماوی کے مکان پر اخوان کی مجلس تاسیسی کے ارکان نے متفقہ طور پر استاذ حسن الہضیبی کو دوسرا مرشد عام چن لیا اور ان کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی۔ دیکھیے السید عمر تلمسانی، الشرق الاوسط میں عصام الغازی کے ذریعہ لیے گئے انٹرویو کی سلسلہ وار قسطیں، اردو ترجمہ حافظ محمد ادریس، یادوں کی امانت، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶، ص ۲۰۴-۲۰۵۔

(۱۱) جماعۃ التکفیر والھجرۃ مصر کی ایک انقلابی اور تشدد پسند جماعت، جس نے جولائی ۱۹۷۷ میں وزیر اوقاف شیخ محمد حسین ذہبی کو قتل کیا۔ یہ لوگ اپنے کو جماعۃ المسلمین کہتے ہیں مگر پریس نے انھیں مندرجہ بالا نام دیا۔ جس کا مطلب ہے کہ نام کے مسلمانوں کو انھوں نے کافر قرار دیا اور سچے مسلمانوں پر نام نہاد مسلم معاشرے سے ہجرت کر جانے کو واجب کہا۔ اس جماعت کے رہنما شکری احمد مصطفیٰ (پیدائش ۱۹۴۲) کو شیخ ذہبی کے قتل کے الزام میں ۲۹ مارچ ۱۹۷۸ کو چند دوسرے مجرموں کے ساتھ تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ شکری کا فتویٰ تھا کہ تمام مسلمان معاشرے غیر مسلم معاشرے ہیں، صرف اس جماعت کے ارکان سچے مسلمان ہیں۔ نیز پورا فقہی سرمایہ قابل رد ہے کیونکہ یہ محض انسانی کوششوں کا مجموعہ ہے۔ حدیث کی جمع و تدوین کا پورا ذخیرہ اس جماعت کے نزدیک مردود ہے۔ یہ کلاسیکی ادبیات اور امہات کتب کو دریا برد کر دینے کی تائید کرتی ہے۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ مصری انٹیلی جنس نے وہاں کی اسلامی تحریکوں کو کچلنے کے لیے جماعۃ التکفیر کے نوجوانون کو آلہ کار بنایا۔ کیونکہ اس جماعت کے نقطہ نظر کے مطابق یہ تمام اسلامی تحریکیں مرتد اور واجب القتل تھیں کیونکہ وہ اسلامی فقہ کی تنفیذ کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ چنانچہ مصری حکومت نے اسلامی قائدین اور نوجوانوں کو اس جماعت کے واسطہ سے چن چن کر قتل کیا (ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ج ۴، ص ۱۳۲-۱۳۴، خلیل احمد حامدی، حوالہ بالا، ص ۱۲۷)۔

جدید اور مکمل اسلامی طرز تعلیم سے مزین ۔ قومی سطح کا معیاری رہائشی ادارہ

بہارہ کہو
اسلام آباد

غزالی کالج برائے خواتین

جو

خوبصورتی و رعنائی میں ہم دوش ارم شہر اسلام آباد اور ملکہ کوہسار مری کے سنگم پر واقع

طالبات کا منفرد ادارہ

پروگرام داخلہ

برائے کلاس نہم	برائے کلاس فرسٹ ایئر	برائے کلاس تھرڈ ایئر
اہلیت : مڈل	اہلیت : میٹرک	اہلیت : انٹرمیڈیٹ
داخلہ: یکم اپریل تا 30اپریل 99	داخلہ: یکم اگست تا 30اگست 99	داخلہ: 15اگست تا 15 ستمبر 99

خصوصیات

☆ اعلیٰ تعلیم یافتہ سٹاف ☆ معیاری ہوسٹل ☆ کمپیوٹر ٹریننگ کی خصوصی تعلیم ☆ ٹیچر ٹریننگ ورکشاپس ☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹ اور نصابی 'اسلامی کتب کی معیاری لائبریری ☆ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں داخلے کی تیاری ☆ ووکیشنل تعلیم ---- کڑھائی' بنائی اور امور خانہ داری کے لیے نصاب ☆ جسمانی تربیت اور کھیلوں کے لیے وسیع گراؤنڈ ☆ ترجمہ و تجوید قرآن پاک نیز درس قرآن دینے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے خصوصی کلاسز ☆ علمی' ادبی اور دینی معلومات کے لیے ---- ہم نصابی سرگرمیاں

زیر سرپرستی۔
حافظ محمد ادریس
چیئرمین غزالی ایجوکیشن ٹرسٹ پنجاب

ڈائریکٹر
حافظ تنویر احمد
بی ایس سی (آنرز) اکنامکس ایم اے

غزالی کالج برائے خواتین بہارہ کہو اسلام آباد

فون : 051-230092 موبائل : 0351-7760416

آئینہ بنیے آئینہ دیکھیے

آئینہ ہم روز دیکھتے ہیں اس لیے کہ ہم کو اس میں اپنی تصویر نظر آتی ہے۔ ہم اپنی تصویر دیکھ کر ہی اپنے بارے میں صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

آئینہ کی بڑی خصوصیات ہیں ----- ان کو ذرا آئینہ میں دیکھیے!

- آپ کی تصویر بلا کم و کاست بتائے گا۔ افراط و تفریط سے اجتناب کرے گا
- آپ کو سامنے آتے ہی فوراً بتائے گا۔ دیر نہیں لگائے گا
- آپ سے کوئی اجرت نہیں طلب کرے گا۔ آپ کا مخلص رہے گا
- آپ کی تصویر کسی اور کو نہیں دکھائے گا۔ کسی اور کی تصویر آپ کو نہیں دکھائے گا۔ غیبت نہیں کرے گا
- ہر بار آپ کو اس وقت کی تصویر دکھائے گا۔ پہلے کی تصویر کی اچھائی یا برائی کو یاد نہیں رکھے گا۔ پرانی بات کو بھول جاتا ہے۔
- جب تک آپ سامنے ہیں تصویر دکھائے گا۔ آپ کے ہٹتے ہی آپ کی تصویر مٹا دے گا۔
- جو سامنے نظر آ رہا ہے اس پر فیصلہ کرے گا کھوج اور جستجو میں نہیں پڑے گا
- آپ کی بے عزتی نہیں کرے گا۔ آپ کو اصلاح پر آمادہ کرے گا
- آپ آئینہ پر اعتبار کر سکتے ہیں
- ایک دفعہ دیکھ کر دوبارہ دیکھنے کے لیے پلٹتے ہیں

عجب نہیں کہ آئینہ کی ان اور دوسری خوبیوں ہی کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن، مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔

آئینہ کے تصور پر ہم اپنی اجتماعی زندگی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔
یہ ایک طرز معاشرت ہے، اسلوب تعلقات ہے، ثقافت ہے، نظام ہے۔

سنابل العلم

11- ایک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور فون : 16-5869312، فیکس : 5865802

اخبارِ امت

مسجدِ اقصیٰ کی شہادت کا منصوبہ

عبدالغفار عزیز

ولادت مسیح علیہ السلام کو ۲۰۰۰ برس پورے ہونے، یعنی ۲۱ویں صدی شروع ہونے کا سب سے زیادہ انتظار یہودیوں کو ہے۔ ان کی مذہبی کہانیوں کے مطابق ۲۰۰۰ سنہ عیسوی میں القدس کی تعمیر اور پہلی اسرائیلی مملکت کی ۳ ہزار ویں سالگرہ ہو گی، وقت کی گردش اپنا ایک عہد پورا کر لے گی اور ایک نئے عہد کا آغاز ہو گا جس میں پوری دنیا پر یہودی اقتدار قائم ہو گا۔ اس عہد نو کے آغاز سے پہلے وہ مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

یہ یہودی خواہش صرف ایک خواب نہیں، دنیا بھر کے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ یہودی (جن میں سے ۴۰ لاکھ مقبوضہ فلسطین میں ہیں) اس کو حقیقت میں بدلنے کے لیے کوشاں ہیں۔ وہ اس کے لیے دنیا بھر سے وسائل فراہم کر رہے ہیں، مسلسل اور بھرپور پروپیگنڈا کر رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے کی ۱۰۰ سے زائد مرتبہ کوشش کر چکے ہیں۔ ان میں سے ۴۷ حملے صرف گذشتہ ۶ سالوں کے درمیان، یاسر عرفات کے ساتھ اوسلو معاہدہ ہونے کے بعد سے اب تک ہوئے ہیں۔

اس وقت اسرائیل یعنی مقبوضہ فلسطین میں ۱۲۰ شدت پسند یہودی تنظیمیں کام کر رہی ہیں، جن میں سے ۲۵ تنظیمیں صرف اس لیے قائم کی گئی ہیں کہ مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے وہاں نام نہاد "ہیکل سلیمانی" قائم کریں۔ ان تنظیموں نے اپنا ایک سیاسی اتحاد بھی قائم کر رکھا ہے۔ "القدس لیگ" کے نام سے فعال اس اس اتحاد نے ۱۹۹۶ء میں وزیراعظم نیتن یاہو سے مسجد اقصیٰ کے نیچے کھودی جانے والی سرنگوں کا افتتاح کروایا۔ یہ سرکاری افتتاح اس امر کا واضح اعلان تھا کہ مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے کی کوشش صرف چند یہودی گروہوں یا متشدد تنظیموں تک محدود نہیں بلکہ پورا اسرائیل اور تمام یہودی اس میں شریک ہیں۔

مسجد اقصیٰ کے نیچے کھدائی کا کام سالہا سال سے شروع ہے۔ اس منصوبے کا ہدف قبلہ اول کی بنیادیں

اس حد تک کھوکھلی کر دینا ہیں کہ کسی بھی قدرتی یا مصنوعی ارتعاش سے مسجد خود بخود شہید ہو جائے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی جہاز ساؤنڈ بیریئر پار کر جائے (اس کی رفتار آواز کی رفتار سے زیادہ ہو جائے) تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا دھماکا مسجد کو زمین بوس کر دے۔

ان کھدائیوں کا کام بہت حد تک مکمل ہو چکا ہے۔ "حشمونایم" نامی جن سرنگوں کا افتتاح سرکاری سرپرستی میں کیا گیا ہے ان میں جدید الیکٹرونک سائن بورڈوں کے ذریعے مستقبل کا سارا نقشہ واضح کیا گیا ہے۔ اس نقشے کے مطابق سرزمین اقصیٰ پر ایک نیا صیہونی شہر تعمیر کیا جاتا ہے' جو یہودی طرز تعمیر کا شاہکار ہو۔ اس نقشے میں مسجد اقصیٰ کا نام و نشان نہیں ہے اور اس کی جگہ ہیکل سلیمانی قائم ہے۔ ان سرنگوں میں اس وقت بھی مسجد اقصیٰ کے عین نیچے عارضی یہودی عبادت گاہ قائم کی جا چکی ہے' جہاں یہودیوں کو باور کروایا جاتا ہے کہ "فی الحال زیر زمین اور مستقبل قریب میں بر سر زمین"۔

سنہ ۲۰۰۰ شروع ہونے میں صرف چند ماہ کا عرصہ باقی ہے۔ اس لیے قبلہ اول کو درپیش سنگین خطرات میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہودی اخبارات گذشتہ ایک سال سے یہ تاثر دے رہے ہیں کہ "شدت پسند یہودی اقصیٰ کو ڈھانا چاہتے ہیں' حکومتی ایجنسیاں انھیں اس کام سے باز رکھنا چاہتی ہیں' لیکن بات ان کے ہاتھ سے نکلتی محسوس ہو رہی ہے"۔

مثال کے طور پر ملاحظہ فرمایئے صیہونی روزنامے یدیعوت احرونوت کی یکم ستمبر ۹۸ کی سرخی: "کوئی پاگل کسی بھی وقت اقصیٰ اور گنبد صخرہ کو اڑا سکتا ہے"۔ تفصیل میں لکھتا ہے: "اسرائیلی وزیراعظم نتن یاہو' وزیر انصاف' وزیر خزانہ' وزیر داخلہ' القدس بلدیہ کے میئر' اسرائیلی خفیہ ایجنسی "شاباک" کے سربراہ اور انسپکٹر جنرل پولیس نے ایک ہنگامی اجلاس میں اس خدشے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا کہ اگر کوئی پاگل یہودی کوئی ایسی کارروائی کر گزرے تو کہیں پورا علاقہ جنگ کے شعلوں کی نذر تو نہیں ہو جائے گا" (واضح رہے کہ اس سے پہلے مسجد ابراہیم میں عین دوران نماز دسیوں مسلمانوں کو شہید کر دینے والے شخص اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں سنگین گستاخی کرنے والی خاتون کو پاگل قرار دے کر سزا سے چھٹکارا دیا جا چکا ہے)۔ اگست ۹۸ میں روزنامہ معاریف مسلمانوں کو اقصیٰ کی شہادت کے لیے نفسیاتی طور پر تیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لکھتا ہے: "اسلامی مقامات کے خلاف کارروائی کی تین ممکنہ صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک' کسی عوامی تحریک کے دوران پورے ملک میں تشدد کی کارروائیاں ہوں اور اس دوران اقصیٰ کو بھی ڈھا دیا جائے۔ دوسرے' کوئی ایک شخص خفیہ طور پر وہاں جا کر کارروائی کر ڈالے۔ تیسرے' کوئی گروہ منظم طریقے سے راکٹوں اور بموں سے مسلح ہو کر حملہ آور ہو جائے"۔ ۲۹ اگست ۹۸ کے شمارے میں روزنامہ معاریف لکھتا ہے: "ان متشدد تنظیموں کا انفراسٹرکچر بہت پیچیدہ ہے' ان کا باہمی رابطہ بہت مضبوط اور ان کے مذہبی خیالات بہت طوفانی ہیں۔ اسرائیلی خفیہ ایجنسیوں کے لیے ان تنظیموں

کے اندرونی نظام تک رسائی حاصل کرنا بہت دشوار ہے"۔

ان تمام خبروں' تجزیوں اور کالموں میں ایک تو اس بات کا اظہار و اقرار کیا جا رہا ہے کہ متشدد تنظیمیں بہت طاقت ور ہیں اور کسی بھی وقت کوئی کارروائی کر سکتی ہیں اور دوسری بات ان سے یہ عیاں ہے کہ حکومت کو اصل فکر مسجد کے شہید کیے جانے کی نہیں' وہ تو خود اس کے لیے بے تاب ہے' بلکہ اسے فکر یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص یا گروہ کسی ایسے وقت میں کارروائی نہ کر دے جو حکومت کی نظر میں نامناسب ہو اور اس کے لیے مشکلات کا موجب بن سکتا ہو۔

مسجد اقصیٰ کی جگہ ہیکل کی تعمیر یہودیوں کے نزدیک کتنی اہم ہے' اس کا ایک اندازہ ان اقوال و بیانات سے بھی ہوتا ہے جو گاہے بگاہے اسرائیلی حکمران دیتے رہے' مثلاً بن گوریون اور بیگن اکثر یہ جملہ دہرایا کرتے تھے: "القدس کے بغیر اسرائیل کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور ہیکل سلیمانی (مسجد اقصیٰ کی جگہ) کے بغیر القدس کی کوئی حیثیت نہیں ہے"۔

۱۷ ستمبر ۹۸ کو القدس شہر میں "القدس لیگ" کی ایک کانفرنس پہلی بار علانیہ طور پر ہوئی۔ اس کانفرنس کا ہدف "تعمیر ہیکل کے لیے ذمہ داریوں کی تقسیم" تھا۔ اسے مکمل سرکاری سرپرستی حاصل رہی' متعدد وزرا شریک کارروائی رہے۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اسرائیلی نائب وزیر ثقافت موشے بیلڈ نے شرکاے کانفرنس کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد کہا: "میری آپ سے اپیل ہے کہ تمام تعلیمی مراحل میں' نوجوانوں کے دلوں میں ہیکل کے مقام و مرتبے اور یہودی تہذیب و ثقافت کو راسخ کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں' ہیکل سلیمانی ہمارے دل کی دھڑکن اور ہماری جان ہے"۔ اس کے خطاب کے بعد ان کے پروہت نے اٹھ کر کہا: "ہم اس سرکاری سرپرستی کے شکرگزار ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ تعاون القدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے کام میں نئی روح پھونک دے گا"۔

قبلہ اول کو شہید کرنے کے لیے اسرائیلی انتظامیہ صرف یہودی متشدد تنظیموں کی سرپرستی اور سرنگیں کھود کر ہیکل کی بنیادیں رکھنے پر ہی اکتفا نہیں کر رہی بلکہ اس ممکنہ خطرے سے بچنے کی تیاریاں بھی کر رہی ہے جو اس واقعے کے بعد "غیر متوقع طور پر" مسلمانوں کی طرف سے سامنے آ سکتا ہے۔ سابق وزیراعظم اسحاق رابین نے اپنے قتل سے کچھ عرصہ پہلے ایک بڑے منصوبے کی منظوری دیتے ہوئے فلسطینی اور اسرائیلی آبادی کے درمیان ایک نئی "دیوار چین" تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ ۳۶۰ کلومیٹر لمبی اور ۹ فٹ اونچی اس دیوار کا مقصد اسرائیلی عوام کو مستقل طور پر فلسطینی اور غیر فلسطینی مسلمانوں سے محفوظ کر لینا ہے۔ اس منصوبے کی تجویز اسرائیلی پولیس کے سربراہ موشے شاحاک نے دی تھی اور ۱۹۹۶ میں اس پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا تھا۔ آغاز کار میں تو منصوبے کے گراں قدر اخراجات کے باعث اس پر عمل درآمد روک دینے کی بات ہو رہی تھی لیکن امریکہ نے ہمیشہ کی طرح شفقت کی اور منصوبے کے تمام تر اخراجات

برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ ۱۹۹۶ میں صدر کلنٹن نے اپنے دورۂ اسرائیل کے موقع پر پہلی قسط کے طور پر ۱۰۰ ملین ڈالر (تقریباً پانچ ارب روپے) پیش کیے اور باقی گاہے بگاہے دیے جا رہے ہیں۔ یہی نہیں امریکہ نے اس دیوار کی نگرانی' اس کے الیکٹرونک دروازوں کی دیکھ بھال' اسے پھلانگ کر عبور کرنے سے روکنے کے خصوصی الیکٹرونک نظام اور اس میں کسی بھی جگہ دھماکا خیز مواد کی فوری اطلاع ملنے کے نظام کی فراہمی کا وعدہ بھی کیا ہے۔ اس ضمن میں پائلٹ کے بغیر دن رات اڑنے والے طیارے' ۲۶۰ ہلکے ہیلی کاپٹر اور دیوار میں جگہ جگہ نصب کیے جانے والے کیمرے اسرائیل بھیجے جا رہے ہیں۔

اس صورت حال میں اب امت مسلمہ کے لیے کسی شک کی گنجائش نہیں کہ مسجد اقصیٰ' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام معراج' ہمارا قبلہ اول اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے بعد سب سے مقدس مقام شہید کرنے کی تیاریاں عروج پر ہیں۔ اب مزید غفلت کا کوئی موقع نہیں ہے۔ یہودیوں کے ناپاک ہاتھ مسجد اقصیٰ پر قبضے کے بعد اب اسے منہدم کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اگر اب بھی سرزمین اقصیٰ کی صداؤں پہ لبیک نہ کہا گیا تو دربار الٰہی میں کوئی جواب ہو گا اور نہ دنیا میں امت کا مستقبل محفوظ ہو گا۔ اقصیٰ کی شہادت کے بعد اصل یہودی خواب کا راستہ ہموار ہو گا یعنی "عظیم اسرائیلی مملکت" کا قیام۔ یہودی پارلیمنٹ کی پیشانی اور ہر یہودی سکے کی پشت آج بھی تحریر ہے "اے اسرائیل تیری سرحدیں فرات سے نیل تک ہیں"۔ اس نقشے میں گنبد صخرہ ہی نہیں گنبد خضریٰ بھی شامل ہے۔ کیا مولائے کُل ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدوں سے منور مسجد اقصیٰ اور آپؐ کے مبارک وجود کی امین سرزمین یثرب مزید یہودی چیرہ دستیوں کا شکار ہونے دی جائے گی؟ ہم میں سے ہر شخص کا جواب یقیناً "نہیں" ہو گا' لیکن صرف "نہیں" کہہ دینے سے یہودیوں کے ناپاک ہاتھ نہیں روکے جا سکتے۔

ان کے قدم روکنے کے لیے سب سے پہلا کام ارض فلسطین میں برسرپیکار جہادی تنظیموں کی مدد اور پشتیبانی ہے۔ حماس وہاں پوری امت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہی ہے۔ اس ضمن میں ہر ممکنہ طریقے سے اسرائیلی انتظامیہ' امریکی حکومت اور مسلم ممالک کے حکمرانوں کو خبردار کرنا ہو گا کہ اگر مسجد اقصیٰ شہید ہوئی تو لاکھوں جبینیں شہادت کے جھومر کو سجائیں گی لیکن اس جرم میں ملوث حکام اور عوام کے وجود سے اس زمین کو پاک کر کے دم لیں گی۔

مسجد اقصیٰ کی شہادت کے جانکاہ صدمے سے بچنے کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ مسلم ممالک میں وہ لوگ زمام کار سنبھالیں جو امریکہ یا مال و دولت کے غلام نہ ہوں' بلکہ پروردگار عالم اور رحمتہ للعالمینؐ کے غلام ہوں تاکہ ان تمام ممالک کے وسائل مسلمانوں کی عزت و سربلندی کے لیے وقف ہوں اور یہودیوں کو اپنے منصوبوں پر عمل کی جرات نہ ہو۔

رسائل و مسائل

"نحر" کے معنی

سوال: سورۃ الکوثر کی تفسیر میں اشکال پایا جاتا ہے۔ خاص طور پر "نحر" کے معنی میں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد آزمائشوں میں ڈٹ جانا ہے' جب کہ یہ مفہوم نبی کریمؐ کو اس وقت درپیش حالات کے قریب بھی ہے۔ یہاں "نحر" کے معنی قربانی کرنا' محل نظر لگتا ہے' وضاحت فرما دیجیے۔

جواب: سورۃ الکوثر کی تفسیر میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مشرکین مکہ غیراللہ کی بندگی کرتے تھے' غیراللہ کے آگے سر جھکاتے' سجدہ ریز ہوتے' ان سے دعائیں کرتے' انھیں حاجت روا' مشکل کشا اور فریاد رس سمجھتے تھے اور غیراللہ کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ کی عبادت' اس کی حاکمیت اور اسی کے نام پر نذر و نیاز کے لیے بلاتے تھے تو یہ چیز انھیں عجیب و غریب نظر آتی تھی اور وہ آپؐ کی تحریک کو اپنے مذہبی اور سیاسی نظام پر زبردست حملہ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آپؐ کی مخالفت پر تل گئے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ آپؐ کو قتل کر دیا جائے اور آپؐ کی تحریک کو دفن کر دیا جائے۔ وہ کہتے تھے "بَتِرَ محمدٌ" (محمدؐ کی جڑ کٹ گئی) نعوذ باللہ۔ اس پر آپؐ کو تسلی دی گئی کہ آپؐ اپنی تحریک جاری رکھیے' اللہ کے لیے نماز پڑھیے اور اسی کے نام پر قربانی دیجیے' آپؐ کی تحریک کامیاب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کوثر یعنی خیر کثیر عطا کیا ہے۔ آپؐ کے دشمن جڑ کٹے ہیں' یعنی ان کی نسل ختم ہوگی۔

"نحر" کے معنی آزمائشوں میں ڈٹ جانا اور تکلیفیں برداشت کرنا نہیں آتے بلکہ اس کے معنی اونٹ یا جانور ذبح کرنے کے ہیں۔ "یہ حکم اس ماحول میں دیا گیا تھا جب مشرکین قریش ہی نہیں تمام عرب کے مشرکین اور دنیا بھر کے مشرکین اپنے خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے تھے اور انھی کے آستانوں پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ پس حکم کا منشا یہ ہے کہ مشرکین کے برعکس تم اپنے اس رویے پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو' تاکہ تمھاری نماز بھی اللہ ہی کے لیے ہو اور قربانی بھی اسی کے لیے" (تفہیم القرآن' ج ۶' ص ۴۹۶)۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ جب بھی آپ جانور ذبح کریں' اللہ کے نام پر ذبح کریں' غیراللہ کے نام پر نہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور بعد کے ادوار میں اہل ایمان اللہ کے نام پر جانوروں

کو ذبح کرتے تھے۔ یہ مضمون دوسری مکی سورتوں کا بھی ہے' صرف سورۃ الکوثر کا نہیں۔ سورۃ انعام' سورۃ نحل وغیرہ جو کہ مکی سورتیں ہیں ان میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ اسی لیے سورۂ کوثر میں "وانحر" کے وہی معنی مراد لینے مناسب ہیں جو دوسری سورتوں میں بیان کردہ مضمون سے مناسبت رکھتے ہوں۔ واللہ اعلم (مولانا عبدالمالک)

اجتماعی قربانی میں نیت کا مسئلہ

س: بعض احباب اجتماعی قربانی کا اہتمام کرتے ہیں جو کہ کئی حوالوں سے مفید ہے۔ اگر بڑی تعداد میں قربانی کرنا ہو تو کیا سب لوگوں کے لیے جانور کا الگ الگ تعین کرنا اور ہر قربانی پر نام لینا ضروری ہے؟ بسااوقات مختلف حصے داروں کے لیے مختص جانوروں کی نشان دہی کرنا مشکل امر ہوتا ہے۔ نیز کیا ہر جانور پر تکبیر پڑھنا لازم ہے؟

ج: اجتماعی قربانی کے سلسلے میں اتنا تعین تو ضروری ہے کہ قربانیاں اتنی تعداد میں' مثلاً ۵ سو کی تعداد میں' فلاں فلاں آدمی کی طرف سے ہیں۔ البتہ قربانی کرتے وقت ہر قربانی پر کسی کا نام لینا ضروری نہیں ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ ۵ سو آدمیوں کے لیے قربانی کے جانور یا اس میں حصہ متعین ہو لیکن اگر ہر ایک کے لیے الگ الگ تعین ممکن نہ ہو بلکہ اتنی بات طے ہو کہ اتنی تعداد میں قربانیاں اتنے اور فلاں آدمیوں کی طرف سے ہیں تو بھی قربانی ہو جائے گی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: رجل ضحی عن نفسه وعن اربعة من عياله خمس شاة ولم يعين كل واحد عن صاحبها عن ابی یوسف انه يجوز استحسانا (ج ۳' ص ۳۵۱) ایک آدمی نے اپنی طرف سے اور اپنے اہل و عیال میں سے چار کی طرف سے قربانی دی۔ کل پانچ بکرے قربان کیے لیکن تعین نہ کیا کہ کون سا بکرا کس کی طرف سے ہے تو امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ قربانی ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: وفی الاضاحی الزعفرانی اشتری سبعة نفر سبع شياه بينهم ولم يسم لكل واحد منهم شاة بعينها فضحوا بها كذلك فالقياس ان لا يجوز وفی الاستحسان يجوز' سات آدمیوں نے مشترکہ طور پر سات بکریاں خرید لیں اور ہر ایک کے لیے بکری متعین نہ کی اور ان ساتوں کو قربان کر دیا تو قیاس تو تقاضا کرتا ہے کہ جائز نہ ہو لیکن دلیل استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی" امداد الفتاویٰ میں اسی طرح کی ایک صورت کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں قربانی درست ہو جائے گی۔ باقی بہتر یہ ہے کہ ہر جانور پر ایک شخص کا نام لگا دیا جائے کہ وہ فلاں کی طرف سے ہے اور وہ فلاں کی طرف سے ہے' اور وہ

فلاں کی طرف سے"۔ پس واضح ہو گیا کہ پہلے سے ہر ایک کے نام جانور کا تعین اچھی بات ہے لیکن لازمی نہیں۔ البتہ اتنا تعین ضروری ہے کہ اتنی قربانیاں فلاں فلاں آدمیوں کی طرف سے ہیں جن کی تفصیل قربانی کرنے والے یا اس شخص کے پاس ہو جس نے کسی کو قربانی کے لیے وکیل بنایا ہو۔ خیال رہے کہ تکبیر ہر جانور پر لازمی ہے' تاہم اگر بھول جائے تو ذبح صحیح ہو گا۔ (ع ۔ م)

سود سے پاک قرض اسکیم

س : انگلینڈ میں مکانات خریدنے کے عام صورت سود پر قرض لے کر لینے کی ہے۔ کوئی مسلم یا اسلامی ادارہ شراکت یا مضاربت کی بنیاد پر یہ کام کرنے کی ضرورت یا منفعت محسوس نہیں کرتا۔ ایسے میں ایک صورت یہ سامنے آتی ہے کہ کچھ ہاؤسنگ ایسوسی ایشن خریدار کے ساتھ مل کر مکان خریدتی ہیں۔ مثلاً خریدار ایک لاکھ پونڈ کا مکان خریدنے کے لیے پسند کرتا ہے۔ یہ مکان ہاؤسنگ ایسوسی ایشن کے پاس رہن ہوتا ہے۔ خریدار (مثلاً) ۱۰ ہزار پونڈ ادا کرتا ہے' باقی ۹۰ ہزار ایسوسی ایشن ادا کرتی ہے۔ مکان کا مارکیٹ میں کرایہ ۵ سو پونڈ متعین کیا جاتا ہے۔ خریدار' ۹۰ ہزار اصل کی واپسی کے ساتھ' کرائے کا ایسوسی ایشن کا حصہ (۱/۹ : ۴۵۰/' ۵۰۰ میں سے) بھی ماہانہ ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور سود نہیں ہے۔ ایسوسی ایشن کو کچھ رقم حکومت کی جانب سے بصورت گرانٹ ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ کتنی رقم؟ ایسوسی ایشن کس بنک سے کس شرح پر قرض لیتی ہے۔ کیا اس قسم کی شراکت کی جا سکتی ہے؟

کیا یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ایسوسی ایشن کے مکمل حصے کا ماخذ کیا ہے؟ اگر یہ ماخذ بنک کے سود پر مبنی رقم ہو تو کیا پھر بھی یہ شراکت جائز ہے؟

ج : آپ نے انگلستان میں مکان کی مشکل حل کرنے کے سلسلے میں جس ہاؤسنگ ایسوسی ایشن اور اس کی اسکیم کا ذکر کیا ہے وہ شراکت کی ایک صورت ہے' اور ایک شریک کا دوسرے شریک سے اپنے حصے کا کرایہ وصول کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ایک شریک جس نے مکان کی مالیت کا ۹/۱۰ حصہ دیا ہے جب اپنا اصل زر واپس لے لیتا ہے اور اس کے ساتھ ایک مدت تک (جب تک کہ اس نے اپنا اصل زر واپس نہیں لیا) کرایہ اضافے کی شکل میں وصول کرتا ہے تو مکان کی ملکیت ۱/۱۰ ادا کرنے والے (جو اصل ضرورت مند ہے) کو منتقل کر دیتا ہے۔ یعنی اپنی ملکیت اپنے شریک کو منتقل کر دیتا ہے۔ یہ خالص سود سے بچنے کی ایک شکل ہے۔ اور اگر انگلستان کے حالات میں اس پر عمل کیا جائے تو صحیح ہے۔

پاکستان میں بھی اس قسم کی ہاؤسنگ اسکیم کا نقشہ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان نے حکومت کو دیا تھا

جس پر پہلے صحیح شکل میں عمل کیا جاتا رہا ہے۔ بعد میں اسے سودی بنا دیا گیا۔ یہ سودی اس صورت میں بن جائے گا جب اسے شراکت کے بجائے قرض کی شکل قرار دیا جائے کہ مکان کا ضرورت مند' ہاؤسنگ ایسوسی ایشن سے ۹۰ ہزار روپے قرض لے اور قرض پر ماہ بہ ماہ کرایے کی شکل میں سود ادا کرے۔ اگر صورت اس طرح ہو کہ مکان ایسوسی ایشن اور ضرورت مند دونوں کا مشترکہ ہو اور ایک مقررہ رقم کے حصص کے تناسب سے مکان کے حصے دار ہوں' اور مکان ضرورت مند کے قبضے میں دے دیا جائے۔ اپنے حصے کے تناسب سے وہ مفت رہایش رکھے اور ایسوسی ایشن کی ادا کردہ قیمت کے تناسب سے مکان کے حصے کا کرایہ ادا کرے تو یہ صورت جائز ہے۔ ایسوسی ایشن نے ضرورت مند پر یہ احسان کیا کہ اپنی رقم وصول ہونے کے بعد مکان کے اپنے متناسب حصے میں مالکانہ حق ضرورت مند کو منتقل کر دیا۔ بغیر اس کے کہ ایسوسی ایشن کو کوئی نقصان ہوتا' اس نے اپنے حصے کا عوض منافع کے ساتھ وصول کر لیا۔ گویا زیادہ قیمت پر اپنا مکان ضرورت مند کو فروخت کر دیا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسوسی ایشن کا روپیہ بنک سے نہ لیا گیا ہو وہ روپیہ ایسا ہو جس پر سود کی ادائیگی نہ کرنی پڑے۔ جس سے شراکت کرنا ہے اس کے بارے میں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس کی کمائی حلال ہے یا حرام۔ یہ معلوم کیے بغیر شراکت کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم (ع ۔

نقد اور ادھار قیمت میں فرق

س: کپڑے کی مارکیٹ میں ایک شخص کی کچے (unfinished) کپڑے کی ایجنسی ہے۔ وہ شخص خود کپڑا نقد خریدتا ہے۔ اس کی ایجنسی سے ایسے لوگ کپڑا خریدتے ہیں' جو اس کپڑے کو مکمل طور پر تیار کر کے (finished حالت میں) بازار میں فروخت کرتے ہیں۔ ایجنسی والا ایسے خریداروں کے ساتھ مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں معاملہ کرتا ہے۔ کیا ان صورتوں میں سے کسی میں "ربا" کا عنصر موجود ہے؟

○ بازار میں کپڑا نقد پر ۲۰ روپے گز ہو اور خریدار اگر دس روز بعد ادائیگی کرے تو ریٹ ۲۱ روپے گز' ۲۰ روز بعد ادائیگی ہو تو ریٹ ۲۲ روپے گز۔

○ اگر نقد کا معاملہ سرے سے ہوتا ہی نہ ہو اور ادھار پر صورت معاملہ وہی ہو جو اوپر لکھی ہے۔

○ اگر گاہک ۱۰' ۲۰' یا ۳۰ روز کے لیے ادھار لے اور مقررہ وقت پر ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں قیمت میں اضافہ کر دیا جائے۔

o اگر گاہک کپڑا نقد خریدے تو ریٹ ۲۰ روپے گز' ۱۰ دن کے ادھار پر ۲۱ روپے گز' ۲۰ دن کے ادھار پر ۲۲ روپے گز' علیٰ ہذا القیاس۔

ج: سودی کاروبار کرنا یا ایسا طریقہ اختیار کرنا جو سودی لین دین کے لیے حیلہ بازی کی حیثیت رکھتا ہو صحیح نہیں ہے۔ نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا جائز ہے۔ لیکن رقم طے شدہ ہو' مبہم بات نہ ہو' اگر مگر کی شکل میں بھی نہ ہو بلکہ مدت اور رقم دونوں طے ہوں۔ پھر اگر رقم مقررہ مدت پر ادا نہ کی جائے تو اس میں اضافہ کسی بھی صورت میں نہ ہو۔

آپ نے جو صورتیں لکھی ہیں ان میں سے پہلی اور دوسری صورت جائز ہے بشرطیکہ بات مبہم نہ ہو۔ یہ نہ کہا جائے کہ اگر دس بارہ دن بعد ادائیگی ہوئی تو یہ شرح ہو گی اور بیس دن بعد ادائیگی ہوئی تو یہ شرح ہو گی بلکہ دونوں میں سے ایک بات طے شدہ ہو۔ مثلاً یوں کہ ادائیگی بیس دن بعد ہو گی اور رقم اتنی ہو گی۔ نیز کاروبار کو مستقلاً ادھار کی شکل میں جاری کرنا تاکہ ہمیشہ زیادہ منافع حاصل کیا جائے' صحیح نہیں ہے۔ ایسی صورت میں گاہک زیادہ رقم دینے پر مجبور ہو گا۔ وہ ادھار خریدے گا اور مہنگا خریدے گا۔ یہ طریقہ اسلامی اخلاق کے منافی ہے۔ واللہ اعلم (ع - م)

خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق ادارے میں ملازمت

س: میری بہن کے شوہر نے ایک خاندانی منصوبہ بندی کے ادارے "سبز ستارہ" میں ملازمت کر لی ہے۔ ہم اپنے علم کی حد تک اس طرح کی ملازمت کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ میری بہن نے اپنے شوہر سے اس پر گفتگو کی ہے مگر ان کے پاس اس کو اختیار کرنے کے لیے کچھ دلائل بھی ہیں کہ ضرورتاً ان ادویات کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے ان کو اصل میں این جی اوز کا سیٹ اپ اور طریقہ کار دیکھنا ہے۔ ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی نظر میں کیا وقت اور حالات کے پیش نظر ایسی جگہوں میں ملازمت کی کوئی گنجایش ہے؟ اور اگر اس طرح کی کوئی رخصت نہیں ہے تو میری بہن ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے کیونکہ نان نفقہ تو شوہر کے ذمے ہی ہے؟

ج: اسلام کی نگاہ میں کسی چیز کے حلال ہونے کے لیے جو شرائط قرار دی گئی ہیں ان میں اول بات یہ ہے کہ اکل حلال کی نیت سے کسی کام کو اختیار کیا جائے۔ ثانیاً' جو کام کیا جا رہا ہے وہ خود حرام نہ ہو اور کسی کام کو کرتے وقت مطلوبہ اور متوقع محنت' وقت' توجہ کا صحیح استعمال کیا جائے اور اس میں کسی قسم کی خیانت نہ کی جائے۔ ان شرائط میں دوسری شرط کی بڑی اہمیت ہے' اسے یوں سمجھیے کہ اگر ایک شخص

خلوص نیت کے ساتھ ایک شراب خانے یا ناچ گھر میں ملازمت کرتا ہے اور پوری توجہ و محنت سے اپنی ذمہ داری ادا کرتا ہے تو خلوص نیت کے باوجود اور محنت و دیانت کے باوجود چونکہ شراب کا بنانا' فروخت کرنا' پیش کرنا ہر چیز حرام ہے' اس بنا پر یہ ملازمت حلال نہیں کہی جائے گی۔ لیکن ایک شخص اپنی ذات اور اپنے اہل خانہ کو ہلاکت سے بچانے کے لیے جگہ جگہ روزگار تلاش کرتا ہے اور باوجود کوشش کے سوائے ایک سودی کاروبار کے اسے کوئی اور جگہ ملازمت نہیں ملتی تو ایسی صورت میں کیا شریعت کو اس بات سے خوشی ہو گی کہ وہ ہلاک ہو جائے؟ ظاہر ہے اپنی اور اپنے اہل خانہ کی زندگی بچانے کے لیے اگر وہ ایک سودی کاروبار میں ملازمت کرے گا تو سود اور اس کے متعلقات کے حرام ہونے کے باوجود اس کا ایسا کرنا اضطرار یا ناگزیر ضرورت کی تعریف میں آئے گا۔ جب تک اسے کوئی حلال ذریعہ نہ ملے اس کا ایسا کرنا بہ ظاہر گناہ کا باعث نہیں بنے گا۔

گو بعض علما خاندانی منصوبہ بندی کو درست سمجھتے ہیں مگر امت مسلمہ کے علما کی اکثریت اسے مقاصد شریعت سے متصادم سمجھتی ہے۔ اس لیے ایک ایسے ذریعہ معاش کی موجودگی میں جو شبہ سے خالی ہو' ایسے ذریعے کا اختیار کرنا جو مشتبہ ہو' کوئی عقلی رویہ نہیں۔ اگر این جی اوز کی کارکردگی کا مطالعہ مقصود ہے تو یہ صرف خاندانی منصوبہ بندی کے اداروں میں ملازمت کر کے نہیں کیا جا سکتا' اس کے لیے اور بہت سے ادارے موجود ہیں۔

آپ کو علم ہے کہ ایک مسلم ریاست کی ذمہ داریوں میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنی حدود میں نظام صلوٰۃ' نظام زکوٰۃ اور نظام امربالمعروف کو نافذ کرے اور نہی عن المنکر کرتے ہوئے تمام منکرات کو قانون و اختیارات کے ذریعے ختم کرے۔ خاندانی منصوبہ بندی ایک منفی اور تخریبی سرگرمی ہے' اس پر امت مسلمہ کے وسائل کا استعمال امانت کے خلاف ایک عمل ہے۔ اس لیے اگر کسی کے پاس ملازمت کے سلسلے میں انتخاب کی آزادی ہو تو بہتر ہے کہ ایسے مشتبہ کاموں سے بچا جائے۔ اگر وہاں کام کرنے کا مقصد این جی او کے طریق کار کو سمجھنا ہے تو یہ کسی دوسرے این جی او کے ساتھ کام کر کے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ ان افراد کا جو ذہنی طور پر تحریک اسلامی سے وابستہ ہوں' ایسے اداروں میں کام اگر اضطراری طور پر ہے تو سمجھ میں آتا ہے' اگر اپنی پسند اور انتخاب سے ایسا کیا ہے تو ہر لحاظ سے نامناسب ہے۔ اس سلسلے میں اہل خانہ کا بھی فرض ہے کہ وہ حکمت و محبت سے سربراہ خاندان کو اسلامی نقطہ نظر سے آگاہ کریں اور کوشش کریں کہ وہ کوئی اور ذریعہ معاش اختیار کر سکیں۔ اسلامی طور پر نفقہ کی ذمہ داری سربراہ خاندان کی ہے اور زیر کفالت افراد سربراہ خاندان کے کسی عمل کے لیے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اس لیے ان کا نفقہ سے استفادہ کرنا حرام نہیں کہا جا سکتا۔ اہل خانہ کو بہرصورت حکمت کے ساتھ امربالمعروف کرتے رہنا چاہیے۔ (پروفیسر ڈاکٹر

(انیس احمد)

حلال روزی کا مسئلہ

س: آج سے تقریباً ۲۰ سال قبل میرے والد واپڈا کے محکمے میں اس طرح ملازم ہوئے کہ ایک بااثر جاننے والے نے ان کو جعلی اسناد کی بنیاد پر کام پر لگوایا۔ میرے ذہن میں یہ سوال ہے کہ کیا ان کی آمدنی جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ان کو سمجھانا لاحاصل ہے کیونکہ وہ مذہبی ذہن نہیں رکھتے۔ کیا مجھے کہیں ملازمت کر لینی چاہیے؟ میری تعلیم بی-اے ہے اور میں پردہ کرتی ہوں۔ میرا آگے پڑھنے کا بھی ارادہ ہے۔ مگر سوچتی ہوں کہ روزانہ جو کھانا ہم کھاتے ہیں وہ حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس طرح دو فیصلوں میں گھری ہوئی ہوں کہ آگے پڑھنے کا سوچوں یا کہیں خود ملازمت کر کے' حلال روزی کماؤں؟ میری رہنمائی فرمایئے۔

ج: جہاں تک کسی ایسے فرد کی کمائی کا تعلق ہے جو مناسب صلاحیت نہ ہونے کے باوجود یا کسی جعلی سرٹیفکیٹ کی بنا پر ملازمت پہ رکھ لیا گیا' اس کا یہ عمل بجائے خود غلط ہے۔ اسے چاہیے کہ اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کے ساتھ جس فرد یا ادارے سے غلط بیانی کر کے ملازمت حاصل کی گئی' اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی صلاحیت کو بہتر بنانے کے لیے درست سرٹیفکیٹ حاصل کرے تاکہ اس کا ضمیر بھی مطمئن ہو اور وہ اپنے کام کو بھی اہمیت کے ساتھ کر سکے۔ ایسی صورت حال میں اہل خانہ کا بھی فرض ہے کہ وہ اخلاقی طور پر ایسے فرد کی ہمت افزائی کریں اور تقویت دیں اور کوشش کریں کہ جلد از جلد اس کے ذریعہ معاش کی اصلاح ہو سکے۔

جب تک آپ والد کی زیر کفالت ہیں' ان کے ساتھ کھانے پینے اور رہنے میں آپ پر کوئی مواخذہ نہیں۔ جب آپ خود کفیل ہو جائیں' اس وقت بھی اگر والد کے گھر آنا ہو اور وہ کھانے پینے کو کہیں تو اس میں کسی حرام کا ارتکاب نہیں ہو گا' اس کے مقابلے میں قطع رحمی کرنا زیادہ غیر اسلامی ہو گا۔

ملازمت کے سلسلے میں یا تعلیم جاری رکھنے کے سلسلے میں فیصلہ والدین کے مشورے سے اور خود سوچ کر کریں۔ عموماً ایم اے کے بغیر مناسب تدریسی ملازمت ملنی مشکل ہوتی ہے' اس لیے ایم اے کرنے کے بعد ملازمت کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ (ا-ا)

کتاب نما

نقوش، قرآن نمبر، جلد اول، جلد دوم۔ مدیر: جاوید طفیل۔ ناشر: ادارہ فروغ اردو، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۶۴۴، اور ۷۴۸۔ قیمت فی جلد: ۲۵۰ روپے۔

محمد طفیل مرحوم (وفات: ۵ جولائی ۱۹۸۶) نے نقوش کے متعدد یادگار خصوصی نمبر مرتب و شائع کیے، جن کی نوعیت زیادہ تر ادبی اور تاریخی تھی۔ مرحوم کو نقوش کے لیے کسی بھی موضوع پر معیاری مواد و لوازمے کی جمع و فراہمی میں خاص مہارت حاصل تھی، پھر وہ اس کی تالیف و ترتیب کا ماہرانہ سلیقہ بھی رکھتے تھے۔ ان کے مرتبہ خاص نمبر ہماری علمی و ادبی تاریخ میں قیمتی اضافوں کی حیثیت رکھتے ہیں، خصوصاً (۱۳ جلدوں میں) ان کے آخری کارنامے رسولؐ نمبر کو تو سیرت نبیؐ کے موضوع پر ایک طرح کے دائرہ معارف کی حیثیت سے حاصل ہے۔

مرحوم نے رسولؐ نمبر کے بعد، قرآن نمبر کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی صاحب بتاتے ہیں کہ مارچ ۱۹۸۵ کی ایک ملاقات میں (جو مرحوم سے ان کی آخری دنیاوی ملاقات تھی) طفیل صاحب نے کہا: نقوش کے قرآن نمبر کی پہلی جلد، صاحب قرآن کے لیے مختص ہو گی --- (پھر مرحوم نے یہ ذمہ داری صدیقی صاحب کو سونپی)--- اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے قرآن نمبر کا خاکہ تیار کر لیا تھا اور غالباً عملاً بھی کچھ کام شروع کر دیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد، اس خاص نمبر کی تیاری و ترتیب کا بیڑا، مرحوم کے لائق فرزند جناب جاوید طفیل نے اٹھایا اور الولد سر لابیہ کے مصداق، انھوں نے حال ہی میں قرآن نمبر کی پہلی دو جلدیں اسی حسن ترتیب، جمالیاتی ذوق و اہتمام اور آب و تاب کے ساتھ شائع کی ہیں، جو مرحوم طفیل صاحب کا خاصا تھا۔

جلد اول چھے طویل مقالات پر مشتمل ہے: الہیات از محمد فارس برکات، ترجمہ: فتح محمد جالندھری۔ اللہ، اپنے کلام میں از ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی۔ قرآن کا تصور اللہ از ابو الکلام آزاد۔ قرآن کا تصور خدا از ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ۔ باری تعالیٰ، قرآنی دلائل کی روشنی میں از محمد عبدالسلام خاں۔ سورۃ الحمد کی تفسیر ربانی از مولانا محمد یٰسین ندوی۔ اللہ تعالیٰ، کلام رسولؐ میں از ڈاکٹر صلاح الدین عمری۔ دوسری جلد میں بھی چھے مقالات شامل ہیں۔ حمد باری تعالیٰ اور خلفاے راشدین از جمشید احمد ندوی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: حمد

اویس از ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی۔ تفسیر سورۃ الحمد' عہد بہ عہد از مولانا یٰسین ندوی۔ اللہ تعالیٰ کی دو قرآنی صفات از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ الرحمٰن اور الرحیم کے تفسیری معارف از ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔ اسماء حسنیٰ از مولانا مشتاق احمد تجاروی۔

عنوانات سے مضامین کی نوعیت و اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مقالات جامع' سیر حاصل اور تحقیقی نوعیت کے ہیں اور بڑی محنت اور کد و کاوش سے تحریر کیے گئے ہیں۔ بعض مقالات بہت دلچسپ ہیں' مثلاً: مظہر صدیقی صاحب' جلد دوم میں شامل' اپنے مقالے میں بتاتے ہیں کہ متداول و مقبول تفاسیر قرآن میں بسملہ کی تفسیر صرف ایک جگہ سورہ فاتحہ سے قبل ملتی ہے حتیٰ کہ تمام (۱۱۴) سورتوں اور آیتوں کے درمیان ربط معنوی اور تسلسل مفہومی کے قائل مفسرین کرام بھی' بسملہ کی تفسیر صرف ایک جگہ کر کے فراغت پا لیتے ہیں اور بقیہ ۱۱۲ مقامات پر اس کی تفسیر' اس سورہ کے ربط و تناسب کے ساتھ نہیں کرتے' جس سے قبل بسملہ آتی ہے۔ صرف تین مفسرین ایسے ہیں جنھوں نے ہر نئی سورہ کے ساتھ بسملہ کی تفسیر بھی نئے انداز میں کی ہے جو' ان کے دعوے کے مطابق' اس سورۃ متعلقہ کے مناسب اور اس کے مضامین کے متعلق ہوتی ہے۔ یہ تین مفسر ہیں: امام قشیری' امام مہائمی اور امام بقاعی (ص ۶۳)۔ پھر مقالہ نگار نے ہر ہر سورہ کے ساتھ ان مفسرین کی تشریحات و تفسیر بسملہ کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور ان کا الگ الگ مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔ کہیں ان پر تنقید بھی کی ہے' مثلاً یہ کہ قشیری' اکثر صوفیاے کرام کی طرح علماے کرام اور علم کے خلاف وہی تعصب و عصبیت رکھتے ہیں جو علما کو عرفان' محبت' جذبے' احساس' وجدان اور روح سے خالی اور علم کے رسمی حجابات میں مستور بتاتی ہے۔ عالم و عارف کا فرق ان کے ہاں نہ صرف نمایاں ہے بلکہ وہ ایک کو روح و عرفان سے خالی اور دوسرے کو اس کا حاصل بتاتے ہیں۔ حالاں کہ یہ قرآنی حقیقت کے خلاف ہے (ص ۱۳۰-۱۳۱)۔ مصنف نے تینوں مفسرین کے تفسیری رجحانات اور ان کے انفرادی و امتیازی اوصاف کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔

زیر نظر قرآن نمبر کو "دو نسلوں کی عاجزانہ کاوش" قرار دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ہر برس دو جلدیں چھاپنے کا پروگرام ہے اور تکمیل بہ شرط زندگی ۲۰۰۰ میں متوقع ہے۔ قرآن نمبر کا انگریزی ترجمہ بھی ۱۹۹۹ سے دستیاب ہو گا (دیباچہ جلد دوم)۔ یہ اعلان بھی کیا گیا ہے کہ نقوش کے ۵۰ سالہ انتخاب پر مشتمل نقوش کا گولڈن جوبلی نمبر بھی ۱۹۹۹ میں چھپنا شروع ہو جائے گا۔ اس کی کل سات جلدیں ہوں گی۔ زیر نظر جلدوں کا اہتمام صوری بھی لائق داد ہے۔ قیمت بہت ہی مناسب ہے۔

ادارہ دعاگو ہے کہ خدا جاوید طفیل صاحب کے نیک عزائم میں برکت دے' اور انھیں قرآن نمبر کا منصوبہ بہ حسن و خوبی مکمل کرنے کی توفیق بخشے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

حسنت جمیع خصالہ' طالب الہاشمی۔ ناشر: القمر انٹرپرائزز' غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۵۷۲۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

زیر نظر کتاب کے دیباچے میں مولانا عبدالوکیل علوی لکھتے ہیں: "جناب محمد یونس طالب الہاشمی ان خوش قسمت اور خوش بخت انسانوں میں سے ہیں' جنھیں خالق کائنات کی خصوصی مہربانی اور نظر کرم کی بدولت سیرت صحابہؓ پر ہزارہا صفحات سپرد قلم کرنے کے ساتھ سیرت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام پر بھی اپنے قلم کو جنبش دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بلاشبہ یہ سعادت اور خوش بختی قابل رشک ہے"۔

سیرت نبویؐ' اسوہ صحابہؓ اور مشاہیر و اکابر کے سوانح حیات پر بلاتکان ایک تسلسل کے ساتھ لکھتے چلے جانا اور درجنوں کتابیں تیار و شائع کر دینا' بلاشبہ جناب طالب الہاشمی جیسے فاضل مورخ و مصنف کی خوش بختی کی دلیل ہے۔ سیرت و سوانح نگار کی حیثیت سے ان کا نام اور شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ سیرت نگاری کے خاص شعبے میں انھیں جو مہارت اور اختصاص حاصل ہے' وہ ان کی ایک ایک تصنیف سے ظاہر و عیاں ہے۔ موصوف نے بہ فضلہ تعالیٰ' تن تنہا اداروں اور اکادمیوں کا کام انجام دیا ہے: ایں سعادت بزور بازو نیست۔

زیر نظر کتاب' سیرت نبویؐ پر ان کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ خیر مجسم' رحمت عالم' رسول اکرمؐ کا زہد و قناعت' رسولؐ رحمت کی نظافت پسندی' رحمت عالمؐ کا جانوروں پر رحم' خیر البشرؐ کی شان جود و سخا' طبقہ نسواں کے محسن اعظمؐ' رحمت عالمؐ کی شان جہانبانی' رحمت عالمؐ کی شگفتہ مزاجی' گھریلو زندگی' شجاعت نبویؐ' صاحب جوامع الکلم وغیرہ وغیرہ--- جیسا کہ ان عنوانات سے اندازہ ہوتا ہے' ان مضامین میں (جو مختلف اوقات میں اور مختلف مواقع پر تحریر کیے گئے) رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کے بیشتر اہم پہلو آگئے ہیں۔ مضامین کا بیشتر حصہ واقعات و فرمودات نبویؐ پر مشتمل ہے۔ جناب مولف نے اپنی جانب سے جو تبصرے کیے ہیں' وہ مختصر مگر جچے تلے اور برمحل ہیں۔ زیادہ تر قرآنی آیات اور مستند احادیث کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ اس سے متعلقہ موضوع جامعیت و صحت اور استناد کے ساتھ واضح ہو گیا ہے اور آپؐ کی دل کش و دل نواز تصویر سامنے آتی ہے۔ عبدالوکیل علوی صاحب کے بقول: "فاضل مولف نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل' خصائل' شمائل اور اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں پر ایسے بلیغ اور عام فہم انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ قاری کے دل میں جہاں حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت و عقیدت کے جذبات موج زن ہو جاتے ہیں' وہاں حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو مشعل راہ بنانے کا داعیہ بھی پیدا ہوتا ہے"۔

امید ہے' اردو میں سیرت نبویؐ کے ذخیرہ کتب میں' زیر نظر کتاب ایک وقیع اور قابل قدر اضافہ شمار ہو گی۔ (و - ہ)

حجیت سنت' عبدالغنی عبدالخالق۔ مترجم: محمد رضی الاسلام ندوی۔ ناشر: عالمی ادارہ فکر اسلامی (پاکستان) اسلام آباد۔ صفحات: ۷۰۰۔ قیمت: درج نہیں۔

قرآن مجید اور حدیث' شریعت اسلامیہ کے بنیادی ماخذ ہیں۔ اسلام کی تعلیمات' قرآن کریم اور حدیث سے مل کر ہی مکمل ہوتی ہیں۔ چونکہ قرآن سے انکار آسان نہیں اس لیے گمراہ فرقوں نے حدیث کو حجت شرعی ماننے سے انکار کر دیا اور اسے قرآن مجید سے جدا کرنے کی کوشش کی۔ انکار حدیث کا فتنہ اول دوسری صدی ہجری میں اٹھا' جس کے بانی خوارج اور معتزلہ تھے۔ سب سے پہلے امام شافعیؒ نے اس گمراہ فرقے کی تردید فرمائی' پھر علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے خاص اس موضوع پر مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ کے عنوان سے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔

تیرھویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں اس فتنے نے دوبارہ سر اٹھایا۔ عالم عرب کے علاوہ برعظیم پاکستان و ہند بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ انکار حدیث کا فتنہ اپنے نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک تھا۔ اس لیے علماے امت کی کاوشوں سے منکرین حدیث کے رد میں اس موضوع پر ایک بیش بہا علمی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ جن میں تدوین حدیث از مولانا مناظر احسن گیلانی' حجیت سنت از مولانا ادریس کاندھلوی' ترجمان السنۃ از مولانا بدر عالم میرٹھی اور سنت خیر الانام از پیر کرم شاہ الازہری قابل ذکر ہیں۔ پھر سنت کی آئینی حیثیت میں مولانا مودودی نے جس مدلل اور شان دار طریقے سے سنت نبویؐ کی مدافعت کی اور اس مسئلے کو جس واضح اور منقح شکل میں پیش کیا' موجودہ زمانے میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اسی طرح عالم عرب میں بھی منکرین حدیث کے شبہات و اعتراضات کے جواب میں' متعدد علما نے بڑی عمدہ تحقیقی کتب تصنیف فرمائیں۔ ان میں السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی از ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ' علوم الحدیث ومصطلحہ از ڈاکٹر صبحی صالح' السنۃ قبل التدوین از ڈاکٹر عجاج الخطیب' دراسات فی الحدیث النبویؐ از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ الاعظمی اور دفاع عن السنۃ از ڈاکٹر محمد ابو شہبہ زیادہ اہم ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب حجیت سنت اس موضوع پر بہت عمدہ اضافہ ہے۔ فاضل مصنف نے جامعہ ازہر کے کلیۃ الشریعۃ میں اسی موضوع کو تخصص کے لیے منتخب فرمایا اور اس وقت کے مشہور منکر حدیث ڈاکٹر توفیق صدیقی کے مقالے الاسلام ہو القرآن وحدہ اور محمد اسعاف النشاشیبی کی کتاب الاسلام الصحیح کے حوالے سے حجیت سنت پر اعتراضات کے مدلل جوابات دیے۔

کتاب کا بنیادی موضوع سنت رسولؐ کے صحیح مقام اور مرتبے کا تعین ہے۔ مصنف نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ دلائل و براہین کی روشنی میں "حجیت سنت" کا اثبات کیا ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمے اور چھے ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کا اہم اور طویل ترین باب (ص ۱۰۷ تا ۳۱۵) عصمت انبیا پر ہے جس میں مصنف نے سنت کی حیثیت کو عصمت انبیا کے تصور سے مربوط کیا ہے۔ یہ کہنا شاید مبالغے پر مبنی نہ ہو کہ یہ بحث جتنی تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں پیش کی گئی ہے وہ موجودہ دور کی شاید ہی کسی اور تصنیف میں نظر آئے۔

پوری کتاب میں نہایت اعلیٰ تحقیقی انداز اختیار کیا گیا ہے، حوالہ جات و حواشی کا اہتمام ہے اور ہر باب کے آخر میں ماخذ و مصادر کی مکمل فہرست دی گئی ہے۔ مصنف نے قدیم و جدید ماخذ سے استفادہ کرتے ہوئے مکمل تفصیل مہیا کی ہے، اور ہر مسئلے میں مذاہب اربعہ کی آرا کو بھی بیان کیا ہے۔ اس وقیع علمی تصنیف کا ترجمہ رواں اور سلیس ہے اور اس پر نظرثانی ڈاکٹر احمد حسن اور ڈاکٹر میاں محمد صدیقی نے کی ہے۔ یہ ایک علمی اور فقہی کتاب ہے۔ اور اس کی ایک اہم خوبی اس کا "اشاریہ" بھی ہے۔ کتاب سفید کاغذ پر عمدگی سے چھاپی گئی ہے مگر قرآنی آیات پر اعراب سے گریز اور کتابت کی اغلاط کی کثرت افسوس ناک ہے۔ (حافظ محمد سجاد)

تعلیم کے بنیادی مباحث، ڈاکٹر وحید قریشی۔ مرتب: سلیم منصور خالد۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، بلاک ۱۹، مرکز ایف سیون، اسلام آباد۔ صفحات: ۲۰۳۔ قیمت: درج نہیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی جیسی ہمہ جہت شخصیت کی تصنیف پر رائے زنی بھی "جسارت" کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کی عمر، تعلیم و تفکر کے دشت ناپیدا کنار کی سیاحی میں گزری۔ یہ کہنا شاید بے جا نہیں کہ ایک استاد اور مفکر تعلیم کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کا نام کشت علم کی سیرابی کرنے والے اساتذہ میں سرفہرست ہے۔

تعلیم کے بنیادی مباحث پاکستان کے مخصوص نظریاتی، معاشرتی اور سماجی تقاضوں کے تناظر میں تعلیم کی اہمیت اور اس کی عملی صورت گری کے متنوع پہلوؤں سے بحث کرنے والی نہایت ہی وقیع اور قابل قدر کتاب ہے۔ معروف اسکالر پروفیسر سلیم منصور خالد نے ڈاکٹر صاحب کے تیرہ مقالات کو بڑی خوب صورتی سے بعض ذیلی عنوانات (نظریاتی پہلو، اقبالیات اور پاکستان کے تعلیمی مسائل) کے تحت مرتب کیا ہے۔ تینوں ذیلی عنوانات نہ صرف باہم مربوط ہیں بلکہ ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہیں کہ انھیں ایک اکائی یا وحدت کی شکل دے کر ہی پاکستان جیسی اسلامی ریاست کا تصور تعلیم تشکیل پاتا ہے۔ ہم اسے نظریہ، تفسیر، اور تعبیر کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ حقیقت میں اسلام ہی وہ فکری و روحانی سرچشمہ ہے جس

سے تعمیر انسانیت کا بنیادی فلسفہ پھوٹتا ہے۔ اقبال نے اس نظریے کے مختلف پہلوؤں کی مفکرانہ تفسیر کے ذریعے ایک جامع، صحت مند اور متوازن تصور تعلیم کے خدوخال پیش کیے۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے ان دو بنیادی ماخذ سے کسب فیض کرتے ہوئے عہد جدید کے عصری تقاضوں کی روشنی میں پاکستان کے تعلیمی مسائل کی گرہ کشائی کی ہے۔ یوں زیر نظر کتاب فلسفیانہ اور نظری مباحث تک محدود نہیں رہتی بلکہ عہد حاضر کے عملی مسائل کا بھی بھرپور تجزیہ کرتی اور پاکستان کے نظام تعلیم کی عملی صورت گری کی راہیں سجھاتی ہے۔

گذشتہ کئی برسوں میں تعلیم کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ انتہائی معتبر اضافہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب، اساتذہ، طلبہ اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اہل دانش کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگی۔ (ڈاکٹر مشتاق الرحمان صدیقی)

قائداعظم محمد علی جناحؒ، سیاسی و تجزیاتی مطالعہ، محمد سلیم۔ ناشر: قومی پبلشرز، ۵۰ لوئر مال، لاہور۔ صفحات: ۴۰۸۔ قیمت: ۴۰۰ روپے۔

اس میں شبہ نہیں کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ برعظیم کے ان گنے چنے افراد میں سے تھے جنھوں نے برعظیم کی سیاسی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے اور ان کی قائدانہ جدوجہد بیسویں صدی کے وسط میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کو وجود میں لانے کا سبب بنی۔ بہ قول مصنف وہ: "جہد مسلسل، غیر معمولی دیانت اور خداداد قائدانہ صلاحیتوں" (ص ۲۷) کا پیکر تھے اور علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۷ء میں بجا طور پر انھیں لکھا تھا کہ آج ہندستان میں آپ ہی وہ واحد مسلمان ہیں جن کی ذات سے مسلمان قوم اس طوفان میں محفوظ راہنمائی کی توقع رکھ سکتی ہے، جو شمال مغربی ہند بلکہ شاید پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لینے والا ہے۔ قائداعظمؒ کی سب سے بڑی خوبی ان کا اجلا اور مضبوط کردار ہے۔ وہ ایک بااصول شخصیت تھے۔ دادا بھائی نوروجی جیسے پارسی اور گوکھلے جیسے کانگرسی راہنماؤں نے بھی ان کی مدبرانہ شخصیت اور دیانت دارانہ کردار کا اعتراف کیا۔ زیر نظر کتاب قائداعظمؒ کی زندگی کا ایک تجزیاتی مطالعہ ہے۔

قائداعظمؒ کی بصیرت، عزم صمیم اور غیر معمولی محنت نے انھیں کامیابی سے ہم کنار کیا۔ ان کی صحت اچھی نہیں تھی، خصوصاً آخری دس برسوں میں تو وہ بیمار ہی رہے مگر انھوں نے ہمیشہ کام کو آرام پر ترجیح دی۔ جب ایک بار ان کی بہن فاطمہ جناح نے اصرار کیا کہ اتنا زیادہ کام نہ کریں تو کہنے لگے: کیا تم نے کبھی یہ سنا ہے کہ کوئی جنرل اس وقت چھٹی پر چلا گیا ہو جب اس کی فوج میدان جنگ میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہو؟

قائداعظمؒ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حصول پاکستان کے لیے' ان کی جدوجہد کے مقاصد کیا تھے اور وہ کس قسم کا پاکستان چاہتے تھے؟ مصنف نے کتاب کے آخری حصے میں اس پر بھی بحث کی ہے۔ انھوں نے قائداعظمؒ کی ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ کی تقریر کا حوالہ دیا ہے جس میں انھوں نے کہا تھا: "میں ان لوگوں کو نہیں سمجھا' جو دیدہ و دانستہ شرارت سے یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ انھیں جان لینا چاہیے کہ اسلامی اصول آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں جس طرح ۱۳ سو سال پہلے تھے"۔ چنانچہ زیر نظر کتاب کے مصنف پروفیسر محمد سلیم بجا طور پر کہتے ہیں کہ قیام پاکستان کا مقصد صرف ہندو غلبے سے نجات حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ اس جدوجہد کا مقصد ایک سچی اسلامی سوسائٹی کا قیام تھا تاکہ انصاف' جمہوری مساوات اور سماجی بہبود کا نظام قائم ہو۔ اس نقطہ نظر سے ہم آج قائداعظمؒ کی قائم کردہ مملکت پاکستان پر نظر ڈالیں تو ہمیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات ہر پاکستانی کے لیے عموماً اور ان لوگوں کے لیے خصوصاً ایک لمحہ فکریہ ہے جو قائداعظمؒ کی وراثت اور ان کے پیروکار ہونے کے دعوے دار ہیں' بہ طور خاص سیاست و حکمرانی میں۔

یہ کتاب صرف محمد علی جناح کی شخصیت ہی کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ ایک پورے عہد اور اس میں رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیوں' مختلف جماعتوں اور سیاست دانوں کے کردار اور جدوجہد آزادی پر ان کے اثرات کی تصویر بھی پیش کرتی ہے۔ ایک ایسی تصویر جسے مصنف نے وسیع تر اردو اور انگریزی ماخذ کے ذریعے اس کاوش و ژرف نگہی کے ساتھ اور تصنیفی مہارت سے مرتب کیا ہے جس طرح قبل ازیں' وہ داراشکوہ (تبصرہ: ترجمان' نومبر ۱۹۹۶) تصنیف کر چکے ہیں۔ (ر۔ ہ)

مجلہ حریم' مجلس ادارت: بشریٰ تسنیم' شاہدہ اکرام' روبینہ ناز۔ ناشر: حریم ادب پاکستان' ۱۸ نشتر کالونی' ملتان۔ صفحات: ۳۰۴۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔

اہل قلم خواتین میں بھی ایک حلقہ ایسا ہے جو ادب برائے ادب کے بجائے ادب برائے زندگی کا قائل ہے۔ اس حلقے نے ۱۹۵۲ میں "حریم ادب" کے نام سے ایک انجمن قائم کی تھی جس کے تحت مختلف شہروں میں ادبی مجالس کا انعقاد ہوتا رہا۔ زیر نظر شمارہ انھی ادبی محفلوں میں پیش کردہ نگارشات کا منتخب مجموعہ ہے۔

ان مجالس میں کہنہ مشق خواتین قلم کاروں کے ساتھ ساتھ نوآموز خواتین و طالبات قلم کاروں کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی رہی ہے۔ پہلے رسالہ عفت ان کی ترجمانی کرتا رہا' اب حریم ادب نے یہ فریضہ سنبھالا ہے۔ رسالے میں شامل نگارشات کو مقالہ جات' نظم و غزل' حقیقت و افسانہ اور گوشہ کشمیر کے عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ ان تحریروں میں مسائل کو بالخصوص خواتین کے حوالے سے اجاگر کیا گیا

ہے اور ان مسائل میں خواتین کو ایک مثبت طرز فکر دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ابتدائی مضامین میں ادب اور اسلام کے حوالے سے مختلف پہلوؤں سے فکری و عملی رہنمائی بھی کی گئی ہے۔ "گوشہ کشمیر" میں مضامین اور افسانوں کے ذریعے سے اس مسئلے کی شدت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ رسالے کے آخر میں حریم ادب پاکستان کا دستور بھی شامل ہے۔ رسالے کی اشاعت کو باقاعدہ بنا دیا جائے تو اس کی افادیت دوچند ہو سکتی ہے۔ محترم قاضی حسین احمد صاحب نے اپنے پیغام میں امید ظاہر کی ہے کہ ادارہ' نگارشات کو اصلاحی' پاکیزہ اور اسلامی ادب کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد قارئین تک پہنچانے کا اہتمام کرتا رہے۔ (زبیدہ جبیں)

مطبوعات موصولہ

☆ گل دستہ ' محمد موسیٰ بھٹو۔ ناشر: سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ' ۱۱۸۶ پیپلز کالونی' لطیف آباد نمبر ۴' حیدر آباد۔ صفحات: ۲۳۱۔ قیمت: ۵۰ روپے۔ [۴۴ "مصلحین و ارباب دعوت' محققین و ارباب قلم' اصحاب علم و دانش اور ارباب تحریک" کا تعارف اور مولف کے نام ان کے خطوط کی روشنی میں ان کی فکر' دلچسپیوں اور سرگرمیوں کا ذکر' ان پر مولف کے دردمندانہ تبصرے اور دعوت و غلبہ دین کے لیے مثبت تجاویز۔-- محمد موسیٰ بھٹو نے اصلاح احوال کے لیے اپنے مخلصانہ جذبات کا دردمندانہ اظہار خیال کیا ہے]۔

☆ پندرہ روزہ الشریعہ ' مدیر: ابو عمار زاہد الراشدی۔ ناشر: الشریعہ اکادمی' مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ۔ صفحات: ۴۴۔ قیمت: ۵ روپے۔ ["وحدت امت کا داعی اور غلبہ اسلام کا علم بردار" یہ رسالہ اب ہر پندرھویں دن بڑی تقطیع پر شائع ہوا کرے گا۔ سال رواں کی پہلی تاریخ سے "انٹرنیٹ کے نقار خانے میں "الشریعہ" کی آواز" بھی شامل ہو گئی ہے۔ معلومات افزا مضامین' تبصرے' تجزیے اور خبریں۔ بنیادی ہدف: "اسلامائزیشن"]۔

☆ پھول ' مرتبہ: غلام عباس۔ ناشر: فضلی سنز (پرائیویٹ) لیمٹڈ' اردو بازار' کراچی۔ صفحات: ۲۷۸۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔ [بچوں کے معروف رسالے پھول (۱۹۰۹ تا ۱۹۵۷) کے مضامین' کہانیوں' ڈراموں' نظموں اور لطیفوں کا یہ انتخاب ۱۹۶۳ میں چھپا تھا' زیر نظر دوسری خوب صورت اشاعت' بچوں کے لیے عمدہ تحفہ ہے]۔

ضابطہ : کتاب نما

(1) براہ کرم تبصرے کے لیے کتاب یا رسالے کے دو نسخے روانہ کیجیے۔

(2) ادارہ' تبصرے کے لیے موصول ہونے والی ہر کتاب پر تبصرہ شائع کرنے کا پابند نہیں ہے۔

(3) کسی کتاب کے ساتھ' مصنف یا ناشر کی طرف سے مرسلہ تبصرے شائع نہیں کیے جاتے۔

(مدیر)

مدیر کے نام

محمد سراج الحسن ' امیر جماعت اسلامی ' ہند ' دہلی

ترجمان القرآن مجھے ملتا ہے اور پابندی سے ملتا ہے اور میں بھی اس کو باقاعدگی اور پابندی سے پڑھتا ہوں۔ کیا کہنے ہیں ' چندے آفتاب چندے مہتاب ہے۔ قرآن کی ترجمانی کی سعادت جس کو بھی حاصل ہو ' اسے خیر کثیر حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس منبع علم و حکمت ' سرچشمہ نور و ہدایت سے مستفیض اور مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد عبداللہ صالح ' بھکر

امام ابوحنیفہؒ کے فقہی اصول (مولانا گوہر رحمٰن ' فروری ۹۹) بہت شان دار اور علمی و تحقیقی تھا۔ اسی طرح دوسرے فقہا کے اصول بھی زیر بحث لائے جائیں۔ ڈاکٹر محبوب الحق کا تذکرہ (فروری ۹۹) محل نظر ہے۔ ایسی شخصیات کے لیے دیگر اخبارات و رسائل ہیں۔ یہ رسالہ تحریکی ' دعوتی اور علمی ہے۔

سرفراز حسین ' فیصل آباد

عراق پر امریکی حملے (فروری ۹۹) میں کہا گیا ہے کہ عراق نے امریکہ کے کہنے پر ایران سے جنگ شروع کی اور کویت پر حملہ بھی امریکہ کے ایما پر ہوا۔ مگر اس بات سے پردہ نہیں اٹھایا گیا کہ امریکہ کا ایک ساتھی جو سالہا سال ایران میں جنگ کرتا رہا پھر امریکہ ہی کی رضامندی سے کویت پر حملہ کر دیا ' اپنے اس ساتھی کو امریکہ کیوں کچل رہا ہے۔ کہا گیا ہے کہ امریکہ عراق کو باقی عرب دنیا سے کاٹ کر اسے سزا دینا چاہتا تھا (ص ۵۸)۔ مگر کس بات کی سزا؟ امریکہ کے مفادات تو درست ' لیکن عراق سے وہ کس بات پر ناراض ہوا اور اسے کیوں سزا دینا چاہتا تھا جب کہ وہ تو اس کی ہر ناجائز بات بھی مان رہا تھا۔

میاں محمد اکمل گوہر ' سیکریالی (گجرات)

سائنسی تحقیق ' دینی یا دنیوی کام (فروری ۹۹) نے ذہن اور دل کے کئی گوشوں کو روشن کر دیا ہے۔ اس سے اسلام کی اصل روح سمجھنے میں بہت زیادہ مدد ملی ہے۔ عام ذہن اب بھی اسلام اور دنیاوی کاموں کو الگ الگ خانے میں رکھتا ہے۔

میاں روف احمد ' لاہور

۶۰ سال پہلے ' پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ترجمان کا معیار کتنا بلند تھا اور مولانا مودودیؒ کی لکھی ہوئی سنہری باتیں کتنی سچی اور خوب صورت ہیں۔ ۶۰ سال پہلے اور حکمت مودودی کا حصہ بڑھائیں تاکہ نئی نسل کی رہنمائی ہو۔

منور الزماں ' بہاول نگر

تعلیمی اداروں کی ثقافت (جنوری ۹۹) بہت اہم مضمون تھا۔ اس میں ملک میں فروغ پانے والے جس کلچر کا ذکر ہے ' اسے مطالعے اور غور و فکر کا موضوع بننا چاہیے۔ اس کے اثرات ملک کے مستقبل پر فیصلہ کن ہیں۔ ہمیں سوچ سمجھ کر راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ وقت کی رو کے ساتھ بہنا تو کوئی پالیسی نہیں ہے۔

محمد سرور لودھی ' منگن آباد

میں سی کام کا طالب علم ہوں۔ ترجمان القرآن بے حد پسند ہے۔ نئے خوب صورت ٹائٹل پر دو تین اہم مقالوں کی سرخیاں بھی آجائیں تو بہت اچھا ہو جائے گا۔ حالات حاضرہ پر معلومات فراہم کریں۔ انڈونیشیا (جنوری ۹۹) پر تحریر اچھی معلوماتی تھی۔

پروفیسر سید محمد سلیم ' کراچی

کیا ضروری ہے کہ ترجمان القرآن (فروری ۹۹) جیسا رسالہ شیخ ایاز کے توبہ نامہ کی تصدیق کرے؟

تصحیح: فروری کے شمارے میں ڈاکٹر محبوب الحق کی کتاب کا نام سہواً غلط درج ہو گیا۔ درست The Poverty Curtain ہے۔ (ص ۱۷)

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور سے شائع کیا

زخمی ،معذور اور بیمار مجاہدین ،مہاجرین کا ادارہ

کشمیر سرجیکل ہسپتال

زیر اہتمام : پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن

- اکتوبر 1990 سے جون 1999ء تک 360000 ہزار مریضوں کا مفت اور مکمل علاج کیا گیا۔
- 1000 سے زائد افراد کو فراست بائٹ سے نجات دلا کر معذور ہونے سے بچالیا گیا۔ (الحمد للہ)
- تمام مہاجرین اور عسکری تنظیموں کے مجاہدین کا مکمل اور مفت علاج کیا جارہا ہے
- کشمیر سرجیکل ہسپتال کے تحت متحدہ جہاد کونسل میں شامل تمام تنظیموں کے کیمپوں 60 فرسٹ ایڈ سنٹر کام کررہے ہیں
- روزانہ 250 سے 350 مریضوں کو مفت طبی امداد فراہم کی جاتی ہے
- ہسپتال کے زیر اہتمام مہاجرین کے کیمپوں میں چار مستقل ڈسپنسریاں اور چار ایمبولینس گاڑیاں ہمہ وقت مصروف کار ہیں جبکہ کیمپوں میں چار نئی ڈسپنسریاں قائم کی جارہی ہیں۔
- مظفر آباد اور کوٹلی میں چار ایمبولنس گاڑیاں ہمہ وقت مصروف کار ہیں
- دو نئے وارڈ کی تعمیر جاری ہے
- معذور مجاہدین اور مہاجرین کو 800 سے زائد مصنوعی اعضاء لگائے گئے

ہسپتال کے لئے تعاون صرف کراس چیک / ڈرافٹ کی صورت میں ارسال کریں۔ ٹریولر چیک کی صورت میں رقم ارسال نہ کریں۔

کیا آپ کا بھی اس میں کوئی حصہ ہے





خوش نصیب ہے جو گھر بیٹھے

★ غزوہ ہند میں شریک ہے ★ اپنی ملت کی زخمی شہ رگ سے بہتے لہو پر مرہم رکھ رہا ہے ★ زخمی و معذور مجاہدین و مہاجرین کی خدمت اور عیادت کا ثواب حاصل کر رہا ہے ★ عظیم ملی فریضے کی ادائیگی کر رہا ہے

اور رسول علیہ ﷺ سے جنت کی بشارت پا رہا ہے (الحدیث) اور جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً بہت ہی محروم ہے

آپ نقد عطیات کے علاوہ ادویات کی صورت میں بھی مدد کر سکتے ہیں

اکاؤنٹ نمبر 1128
بنک آف پنجاب
مظفر آباد آزاد کشمیر

تعاون کے لیے

ڈاکٹر محمود حسین گیلانی (میڈیکل سپرینڈنٹ)

کشمیر سرجیکل ہسپتال پولٹری فارم روڈ مظفر آباد آزاد جموں کشمیر

فون. 058810-3700

C .P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

Monthly TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE,